جلد 22 شمارہ 2 ماہ فروری 2020ء جمادی الثانی 1441ھ

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ فلاحِ آدمیت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ 300/- روپے

اس شمارے میں

حمد باری تعالیٰ

(مرسلہ: محمد فیصل خان)

ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے
سورج کے کجالوں سے، فضاؤں سے، خلاء سے

چاند اور ستاروں کی چمک اور ضیاء سے
جنگل کی خموشی سے، پہاڑوں کی انا سے

پُر ہول سمندر سے، پر اسرار گھٹا سے
بجلی کے چمکنے سے، کڑکنے کی صدا سے

مٹی کے خزانوں سے، اناجوں سے
برسات سے، طوفان سے، پانی سے ہوا سے

ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے
گلشن کی بہاروں سے، تو کلیوں کی حیاء سے

معصوم سی روتی ہوئی شبنم کی ادا سے
لہراتی ہوئی بادِ صبا سے

ہر رنگ کے، ہر شان کے، ہر پھولوں کی قبا سے
چڑیوں کے چہکنے سے، تو بلبل کی نوا سے

موتی کی نزاکت سے، تو ہیرے کی جلا سے
ہر شے کے جھلکتے ہوئے فن اور کلا سے

ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے
دنیا کے حوادث سے، وفاؤں سے جفا سے

رنج و غم و آلام سے، دردوں سے، دوا سے
خوشیوں سے، تبسم سے، مریضوں کی شفا سے

بچوں کی شرارت سے، تو ماؤں کی دعا سے
نیکی سے عبادات سے لغزش سے، خطا سے

خود اپنے ہی سینے کے دھڑکنے کی صدا سے
وحدت تیری ہر گام پہ دیتی ہے دلا سے

ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے
ابلیس کے فتنوں سے، تو آدم کی خطا سے

اوصافِ براہیم سے، یوسف کی حیا سے
اور حضرت ایوب کی تسلیم و رضا سے

عیسیٰ کی مسیحائی سے، موسیٰ کی عصا سے
نمرود کے، فرعون کے انجام فنا سے

کعبہ کے تقدس سے، تو مروہ و صفا سے
یٰسین سے، طٰہٰ سے، مزمل سے نبا سے

ایک نور جو نکلا تھا کبھی غارِ حرا سے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے

عتیق احمد جاذب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ محمد یعقوب خان توحیدی کا نوشہرہ ورکاں کے دورہ کے موقع پر توحیدی بھائیوں سے گفتگو

(فلاح آدمیت کے قارئین کے استفادہ کیلئے)

(مرکز تعمیر ملت)

نماز دین کا ستون ہے، جنت کی کنجی اور مومن کی معراج ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ نماز آپ کو برائیوں اور فحش کاموں سے روکتی ہے۔ اگر ہم ان باتوں سے نہیں رکتے تو ہماری نماز، حقیقی نماز نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھیں! آپ اس کا فارمولا دیکھ سکتے ہیں کہ اگر نماز پڑھنے سے آپ کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی تو یہ تشویش کی بات ہے۔ شروع میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر عمل کرنا جو اختیاری ہیں، جیسے وقت کی پابندی، وعدہ کی پابندی کرنا، وعدہ خلافی نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، امانت میں خیانت نہ کرنا اور ایک دوسرے سے پیار کرنا۔

نماز با جماعت کی فرضیت کے متعلق، قرآن میں ہے: وار کعو مع الراکعین ۔ یہ اس لیے ہے کہ مسلمان جس وقت صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو وہ جس طرح صف میں کھڑے ہوتے ہیں تو اسی طرح ان کے دل بھی جڑ جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ صفیں تیر کے ساتھ بنایا کرتے تھے۔ صف میں آپس میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہونے سے آپ کے اندر یک جہتی پیار اور محبت پیدا ہوگی۔ اور مقتدیوں کے درمیان خلا مت چھوڑا جائے، اس سے شیطان حرکت کر جاتا ہے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے آج کل تو ہم صف بھی سیدھی نہیں کرتے یہ تو حضرت عمر فاروق ؓ تھے ورنہ اس طرح کی جرات تو نہ کوئی کرسکتا ہے اور نہ کرنی چاہیے۔ وہ تو صحابہ تھے۔

اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے دیکھو بات تو یہ ہے کہ پیش کہاں ہونا ہے، پیشی کہاں ہے، ہماری پیشی اس ہستی کے سامنے ہے جو ہمارا خالق ہے، ہمارا مالک ہے۔ تو اس کے سامنے پیش

ہونے کے لیے ہمیں اپنی صف درست کر لینی چاہیے۔یہی ادب کا تقاضا ہے۔

بابا جان(بانی سلسلہ)فرمایا کرتے تھے کہ میرے مریدوں،میرے بچوں اور دوسرے لوگوں میں جب تک اخلاقی طور پر واضح فرق نہ ہو جائے میں مطمئن نہیں ہوں گا۔آج ہم کس منہ سے ان کا سامنا کریں گے،ہم ان کا سامنا نہیں کر سکتے۔جو ان کی خواہش ہے آج ہم میں اس کا عشر عشیر بھی پیدا نہیں ہو سکا۔ہم آپس میں پیار نہیں کر سکتے حالانکہ ہمارے حلقہ کا Symbol دو چیزیں ہیں، پیار اور توحید! ہمیں حکم ہے کہ آپس میں پیار کرو،ٹوٹ کر پیار کرو اور خالص اللہ کے لیے پیار کرو جس میں کوئی دکھاوا اور ریا کاری نہ ہو۔اور اللہ کو ذات وصفات کے لحاظ سے واحد اور بے مثل سمجھنا۔یہ دونوں باتیں ہمارے حلقہ کا Symbol ہیں۔

اگر یہ دونوں باتیں ہم میں موجود ہیں تو اللہ کے فضل سے ہم پکے توحیدی ہیں۔ہمیں آپس میں پیار کرنے کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کیونکہ ہم نے یہ پیار باہر دنیا میں پھیلانا ہے یعنی عالمگیر محبت کا پرچار کرنا ہے۔یہ ایک مدرسہ ہے جو کچھ ہم اس میں سیکھیں گے وہ ہم باہر دنیا والوں کو سکھائیں گے جس طرح ہم یہاں پیار کریں گے اسی طرح ہم باہر معاشرے کے ساتھ بھی پیار کریں گے جس طرح ہم یہاں عفوو درگزر سے کام لیتے ہیں۔وہاں بھی ایسا کریں گے باہر اور کوئی ایسا نہیں کر رہا اور اگر ہم ایسا کریں گے تو ان میں اور ہم میں واضح فرق ہو گا اور یہی بات بابا جی قبلہ انصاری صاحبؒ کی روح کو تسکین دے گی کہ میرے روحانی بچے نے یہ اچھا کام کیا ہے کہ اگلے بندے نے زیادتی کی اور اس نے بدلے میں اس کو معاف کر دیا ہے یہ بات ہم اس مدرسے سے سیکھیں گے اگر ہم یہاں ایک دوسرے کو معاف کرنا سیکھ لیں اور دوسرے کی برائیوں کا جواب اچھائیوں سے دینا سیکھ لیں تو ہم معاشرے میں بھی ایسا ہی کریں گے تو یہاں بھی اللہ راضی ہو گا اور وہاں بھی اللہ راضی ہو گا۔یہی اسلام کی تعلیم ہے اور یہی ہماری تعلیم ہے اگر یہ بات ہم میں پیدا ہو جائے تو لوگ آپ کے گرویدہ ہو جائیں گے اور دس لوگ آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے جب آپ کسی کی خدمت کریں گے،پیار کریں گے تو لازمی طور پر وہ بھی آپ سے پیار کرے گا

وہ بھی آپ سے محبت کرے گا جب آپ محبت کرنا سیکھیں گے تو دوسرے بھی آپ سے محبت کریں گے۔ باباجی کے دور میں انھیں پتہ چلا کہ ہمارے کسی پیر بھائی کو کسی نے گالی دی تو اس نے آگے سے کہہ دیا کہ جاؤ اللہ تمھارا بھلا کرے!! ہمارا کیا ہے، ہمارا وقت گزر جائے گا، اللہ تمھیں خوش رکھے۔ یار میں تو اللہ کی رضا کے لیے خالصتاً تیرے لیے دعا ہی کرسکتا ہوں۔ پاس کوئی شخص کھڑا تھا وہ یہ سب کچھ سن رہا تھا اس نے سن کر یہ کہا واہ بھائی واہ! سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس زمانے میں بھی ایسے مسلمان ہیں جو گالیاں سن کر دعائیں دیتے ہیں۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی بہت ہی پیاری سنت ہے کہ آپ نے گالیاں سنیں اور دعائیں دیں، مار کھائی دعائیں دیں۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی میں کبھی بھی یہ مثال نہیں ملتی کہ آپ نے کسی سے کبھی کوئی بدلہ لیا ہو بلکہ طائف کے موقع پر جب آپ کو لہولہان کر دیا گیا تھا اور خون جسم مبارک سے بہہ کر جوتوں تک آ گیا تھا تو اس وقت اللہ کے حکم سے جبرائیل امین آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور سلام کے بعد فرمایا ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ سلوک ہوا ہے میں اس سے بے خبر نہیں ہوں میں اس فرشتے کو بھیج رہا ہوں آپ جو اس کو حکم دیں گے یہ کرے گا۔ وہ فرشتہ بھی حاضر ہوا اور سلام کیا اور عرض کیا کہ جو حکم دیں وہ میں بجا لاؤں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے اللہ! میں تو کبھی بھی نہیں چاہوں گا کہ ان لوگوں سے بدلہ لوں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تو ان سب کو ہدایت دے کہ یہ لوگ جان لیں کہ میں کون ہوں میں تو ان کی بھلائی چاہنے والا ہوں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ یہ سب مسلمان ہو جائیں اور تیرا نام بلند ہو۔ تو ایک طرف اتنے ظلم اور دوسری طرف اتنی خیر خواہی کہ فرشتے کے عرض کرنے کے باوجود کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور یہ لوگ ان کے درمیان آ کر ہلاک ہو جائیں لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے صرف ان کی ہدایت کے لیے دعا ہی کی۔ پھر ان لوگوں کی اولاد میں سے ہی محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ ہمارے سامنے ہمارے اجداد کی مثالیں موجود ہیں جس نے بھی سیرت کی ایک دو کتابیں بھی پڑھی ہیں وہ اس

بات سے بخوبی واقف ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ساری زندگی عفوودرگزر کا عملی نمونہ تھی۔ ہم حضور اکرم ﷺ کے عاشق ہونے کا دعویٰ تو بہت کرتے ہیں لیکن ہم کوئی ایک ہی بات آپ کی زندگی سے سیکھ لیں تا کہ ہمارے پاس کچھ ثبوت تو ہو۔ یہاں سے آنکھیں بند ہونے کے بعد ہمارا سامنا تو ہونا ہے تو ہم ان کو کیا منہ دکھائیں گے کہ ہمارا دعویٰ تو عاشق رسول ﷺ کا تھا اور ہمارے پاس عملی ثبوت کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر وہ فرمائیں گے کہ میرے لیے کیا تحفہ لائے تو کیا جواب دیں گے اگر کسی ایک سنت پر ہی عمل کیا ہے تو وہ ہی ہمارے پاس ہوگی تو ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے گی۔ لہٰذا ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ ہمیں وہاں شرمندگی سے بچائے۔ میری بس آپ سے یہی گزارش ہے کہ سب بھائی آپس میں اور گھر میں پیار و محبت سے پیش آئیں تو باہر کی دنیا خودبخود آپ سے مل جائے گی آپ خود ایک مثال پیدا کریں تو لوگ بھی آپ سے محبت کریں گے۔ نمازیں تو بہت سے مسلمان پڑھتے ہیں بلکہ ہم سے بھی زیادہ اچھے نمازی ہیں جو پانچ وقت کی نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور اگر کوئی کمی ہے تو وہ اخلاق کی کمی ہے۔ ہمارے ذمے ڈیوٹی اخلاق کی لگی ہے، معاشرے کی اصلاح کی لگی ہے۔ اللہ کی توحید کو بیان کرنا، لوگوں سے پیار کرنا اور لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنا ہماری ڈیوٹی ہے۔ ہمیں اپنی ڈیوٹی پر نظر رکھنی چاہیے۔ نمازیں تو سب لوگ پڑھتے ہیں بلکہ ہم سے بھی اچھی پڑھتے ہیں لیکن اعلیٰ اخلاق بہت کم ہے۔ آپ اعلیٰ اخلاق کہاں سے لائیں گے، جب تک اسے سیکھیں گے نہیں۔ اعلیٰ اخلاق انتہائی ضروری ہے اور اس کو سیکھنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اخلاق کی ضرورت ہمیں مرتے دم تک ہے۔ عالم نزع کے وقت بھی ہمیں اخلاق کی ضرورت ہوگی

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مجھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے"۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ جس کی تکمیل کے لیے سرکار دو عالم ﷺ کو بھیجا گیا ہے۔ اگر ہم اخلاق کی تکمیل کریں اپنی اصلاح کے لیے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم سرکار دو عالم ﷺ کی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں واقعی فقیری لائن پر چلنا ہے تو پھر ہمیں ضرور یہ کرنا پڑے گا کہ

گالیاں سن کر دعائیں دیں اگر ہم ایسا نہیں کر رہے تو پھر ہم اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں کہ ہم فقیر ہیں یا فقیری لائن پر چل رہے ہیں حقائق کو سمجھیں اور اپنے سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ ہم اپنے اخلاق میں کہاں تک بہتری لا رہے ہیں۔ ہمیں ابھی سے اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے اخلاق کو اعلیٰ درجے تک لیجانے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ وہ چار سالوں تک ہم اخلاق کے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکیں۔ اگر آپ نے ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے تو پھر ہماری تعلیم یہی ہے کہ آپ اپنی اصلاح کی کوشش کریں اگر آپ تعلیم پر عمل کریں گے تو اس بات کی گارنٹی میں دیتا ہوں کہ آپ کامیاب ہوں گے یہ بات میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہہ رہا ہوں اور اگر آپ تعلیم پر عمل نہیں کریں گے تو پھر نہ تو کامیابی کی گارنٹی ہے اور نہ میری جواب دہی۔ آپ جانیں اور اللہ جانے۔ میں دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ یہ جو مہلت اللہ کی طرف سے ملی ہے دن بدن گھٹتی جا رہی ہے۔ کل تک میری عمر 77 سال تھی اب 78 سال ہو گئی پھر 79 ہو جائے گی تو آخر ایک دن تو جانا ہے میں کب تک زندہ رہوں گا اسی طرح ہماری عمر تو کم ہو رہی ہے لیکن اس کمی کو آپ اخلاق کی کمی سے پورا کر سکتے ہیں۔

(جاری ہے)

توحیدی کا کردار، دائمی مسرت کا حصول

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

ہمارے سلسلہ کے اذکار و اشغال وغیرہ پہلے سلسلوں سے بہت مختلف ہیں۔ اور چونکہ عوام پہلے سلسلوں کی باتوں کو نسلاً بعد نسلاً سنتے سنتے ان کے اس قدر معتقد ہو چکے ہیں کہ ہماری باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں اور تو اور خود وہ لوگ جو ہمارے حلقہ میں پندرہ پندرہ اور بیس بیس سال سے شامل ہیں ہماری تعلیم کی روح کو ابھی تک نہیں سمجھے۔ اس لیے بار بار لکھنا اور سمجھانا پڑتا ہے۔ آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ کی بنیاد توحید ہے اور ہمارا حلقہ اور ہمارے سلوک کی آخری منزل ذات باری تعالیٰ کا قرب اور دیدار ہے۔ یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس عمارت کی بنیاد ہی کمزور یا غلط ہو گی وہ عمارت کبھی مضبوط نہیں ہو سکتی چنانچہ کسی شاعر نے کس قدر سچ کہا ہے کہ

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اسی لیے میں آپ سے ہمیشہ سے یہی کہا کرتا ہوں کہ توحید کو بدرجہ کمال حاصل کرو اور پکے اور سچے توحیدی بنو۔ تب تمہارے اذکار و اعمال میں وہ طاقت پیدا ہو گی جو خدا تک پہنچانے کیلئے ضروری ہے۔ صرف زبان سے کہہ دینا کہ ہم توحیدی ہیں اور اپنے نام کے بعد ”توحیدی“ لکھ کر فخر سے سر اونچا کر لینا ہرگز کافی نہیں۔ بلکہ محض مذاق ہے۔ ایک توحیدی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈرے، نہ کسی کے سامنے سر جھکائے، نہ کسی سے مدد مانگے۔ اس کا مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ تم دنیا سے تعلق قطع کر کے رہبانیت اختیار کر لو اور اسباب و وسائل سے کام لینا چھوڑ دو۔ یاد رکھو کہ ترکِ وسائل اسلام میں قطعاً ناجائز ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر تم

کو ایسے دشمن سے واسطہ پڑ جائے جو تمہاری دانست میں بہت زیادہ قوی ہے اور تمہاری جان و مال کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے تو بھی تم اس سے ہرگز نہ ڈرو۔ خدا پر یقینی طور پر بھروسہ رکھو۔ وہ تمہاری مدد کرے گا اور بے فکر ہو کر اس کا مقابلہ کرو یقیناً تم فتح یاب ہو گے۔ ایسے موقعہ پر تمہاری قوت ارادی اور خدا پر یقین کی طاقت کس طرح دشمن کے ذہن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کو سمجھانے کے لیے ایک بہت بڑے مضمون کی ضرورت ہے جس کی گنجائش نہیں۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس وقت تمہارے دل و دماغ سے جو لہریں نکل کر دشمن کے دماغ سے ٹکراتی ہیں وہ اس قدر قوی ہوتی ہیں کہ دشمن حواس باختہ ہو کر بھاگ اٹھتا ہے اور تمہاری تھوڑی سی نفری اس کو اپنی تعداد کثیر سے کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے اور اس کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو یوں بیان کیا ہے کہ "ہم دشمن کے دل پر خوف طاری کر دیتے ہیں اور وہ مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔" تم کو اگر رات کے وقت جنگل میں بھوت وغیرہ سے ڈر لگا ہو تو تمہیں یاد ہوگا کہ اس وقت خوف کے عالم میں جنگل کا ایک ایک جھاڑ بلکہ ایک ایک تنکا بھوت نظر آنے لگتا ہے۔ اسی طرح مفلسی اور ناداری میں بھوک اور فاقہ کا خطرہ ہو اور بظاہر کوئی سامان اور سبب تم کو اس مصیبت سے بچانے کا نظر نہ آتا ہو تب بھی ایک توحیدی کو مطلق ڈرنا نہیں چاہیے بلکہ خدا پر بھروسہ اور یقین رکھنا چاہیے کہ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر تم واقعی توحیدی ہو اور خدا پر اٹل ایمان رکھتے ہو تو یقیناً مدد آئے گی اور کسی ایسے گوشے سے آئے گی جس کا تم کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔

میرے مرشد مولانا کریم الدین احمدؒ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ "میں ایک مرتبہ مدت دراز تک برما کے جنگلوں میں بعالم استغراق صحرا نوردی کیا کرتا تھا۔ ایک دن مجھے سخت بھوک لگی کیوں کہ کئی دن سے کچھ کھایا نہ تھا مگر وہاں کوئی چیز بھی کھانے کو نہ تھی۔ نہ درختوں میں پھل تھے نہ ان کے پتے ہی ایسے تھے کہ چبائے جا سکتے۔ مجبوراً ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر دل میں کہا کہ یا اللہ! بھوک بہت سخت ہے برداشت نہیں۔ ابھی دو چار منٹ بھی نہ

گزرے ہوں گے کہ آسمان پر بہت سی چیلیں اڑتی نظر آئیں؛ وہ بڑی تیزی وتندی سے آپس میں لڑ رہی تھیں۔غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ایک چیل کے پنجے میں کوئی چیز ہے جو دوسری چیلیں اس سے چھیننا چاہتی ہیں۔میں سمجھا کہ یہ خرگوش کا بچہ ہے جو چیل کہیں سے لے آئی ہے۔ آخر میں جنگ اس قدر تیز ہوگئی کہ چیل کے پنجوں میں جو چیز تھی چھوٹ گئی اور بالکل میرے سامنے آگری۔میں نے دیکھا کہ وہ ایک رومال ہے جس میں کچھ بندھا ہوا ہے۔کھولا تو اس میں سے چار پراٹھے اور چار انڈے کی ٹکیاں نکلیں۔میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور پیٹ کی آگ بجھائی۔تو برادران حلقہ! جو خدا پر واقعی بھروسہ رکھتا ہے۔خداوند قدوس اس کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔

اسی طرح اور بھی بہت سے الجھنیں اور پریشانیاں ہیں جو کسی وقت بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔مثلاً بیماریاں، مقدمات، میاں بیوی کی ناچاقی، ہمسائیوں کی بے جا زیادتیاں، دفتروں میں افسروں کی ناراضگی، ملازمت جانے یا ترقی رکنے کا خوف، کاروبار میں نقصان۔الغرض ایک بات ہو تو بیان کی جائے۔یہاں تو جس طرف دیکھو خطرات اور پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ پیدا کرنے والے نے خود ہی کہہ دیا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (البلد: ۴) ''ہم نے انسان کو پیدا ہی پریشانیوں کے بیچ میں کیا ہے۔)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حالت یہ ہے تو انسان کس طرح اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرسکتا ہے اور اس کو حقیقی خوشی اور دوامی مسرت کس طرح میسر آسکتی ہے۔جواب یہ ہے کہ پکا اور سچا توحیدی بن کر۔وہ کس طرح؟......وہ اس طرح کہ کوئی شخص صرف زبان سے یہ کہہ دینے سے کہ میں صرف ایک خدا کو مانتا ہوں توحیدی نہیں بنتا بلکہ خدا نے قرآن پاک میں جو کچھ احکام و ہدایات دی ہیں ان پر دل سے یقین اور صداقت سے عمل کرنے سے توحیدی بنتا ہے۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑے تو حکم ہے کہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ خدا سے مدد مانگو افسوس یہ کہ آج مسلمان صبر کے صحیح معنی بھی نہیں جانتے۔صبر کے معنی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی مصیبت پڑے تو اس کو دور کرنے کے لیے عمل کچھ نہ کرو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے خاموش گھر میں

بیٹھ جاؤ اور انتظار کرتے رہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی نہ کسی دن اس مصیبت کو خود دور کر دے گا۔ چنانچہ زبان سے ایسے ایسے محاورے بھی نکل جاتے ہیں کہ ''ہم تو صبر کیے بیٹھے ہیں''۔ ''میرا صبر پڑے تیری جان پر''۔ مجبوری کا نام صبر ہے''۔ وغیرہ وغیرہ۔ صبر کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں بلکہ صبر کے معنی ہیں ''برداشت کرنا اور خوشی سے برداشت کرنا۔ میں بھی پہلے صبر کے وہی معنی سمجھتا تھا جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ لیکن ایک دن فتوح الشام میں جنگ یرموک کی ایک لڑائی کا ذکر پڑھتے ہوئے یہ الفاظ نظر سے گزرے۔

''جب رات کا اندھیرا بہت گہرا ہو گیا تو لڑائی بند ہوگئی اور صحابہؓ کبار اپنے اپنے خیموں پر واپس آئے تو ان میں دو صحابہ (جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں) جب اپنے خیمے میں پہنچے تو اپنی زرہ بکتر وغیرہ اتارتے ہوئے ایک صحابیؓ نے دوسرے سے کہا: الحمد للّٰہ کہ آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑا صبر عطا کیا۔ صبح کی نماز کے بعد جب لڑائی شروع ہوئی اس وقت سے اب تک دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر برابر لڑتا رہا ہوں نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ نمازیں بھی قضا ہو گئیں لیکن میں نے ذرا تھکان محسوس نہیں کی۔ دو ایک مرتبہ کچھ سستی سی غالب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے دل میں وہ طاقت پیدا کی کہ نئے ولولہ اور جوش سے پھر لڑنے لگا اور سینکڑوں کافروں کو جہنم پہنچایا۔''

یہ الفاظ پڑھ کر میرے ذہن میں صبر کے معنی اس طرح کھلے جیسے کہ کوئی چیز آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ اس وقت میں سمجھا کہ صبر کے معنی تو برداشت کرنے کے ہیں اور وہ بھی خوشی سے برداشت کرنے کے ہیں۔ یعنی جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے یا کوئی مصیبت آ پڑے تو اس کو دفع کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرو اور وہ بھی اس طرح کہ سستی، تھکان یا مایوسی کا خیال تک تمہارے دل میں نہ آنے پائے۔ اب آپ خود غور کریں کہ جب کوئی آدمی اس شان سے کوشش کرے گا تو اول تو وہ یقیناً کامیاب ہوگا اور اگر نہ بھی ہو تو کوشش کے دوران مصیبت کا خیال اس کے دل و دماغ کو ہرگز اس طرح متاثر نہ کرے گا جیسا کہ خاموش بیٹھے رہنے میں کرتا ہے۔

الغرض ایک توحیدی کہیں بھی اور کسی بھی حال میں ہو سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ کسی سے مدد چاہتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدا کے بنائے اور بتائے ہوئے وسائل سے کام لینا ترک کر دیتا ہے بلکہ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرنے کے بعد بھی اگر ناکامیاب ہو جاتا ہے تب بھی ہمت نہیں ہارتا اور مایوس نہیں ہوتا بلکہ خوش ہی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ اس آیت کی طرف رجوع کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک چیز کو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ لیکن اللہ اس کو تمہارے لیے پسند نہیں کرتا (اس لیے نہیں دیتا) یہ آیت اس کو بے انتہا سکون اور طاقتِ قلبی عطا فرماتی ہے۔ اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میری کوشش کامیاب ہو جاتی تو انجام کار میرے لیے مفید ہونے کے بجائے انتہائی تکلیف دہ اور ممکن ہے کہ تباہ کن ثابت ہوتا۔

برادرانِ حلقہ! ایسے تین چار واقعات خود مجھ کو اپنی زندگی میں پیش آئے ہیں اور میرا ذاتی تجربہ ہے۔ آپ کو میرے تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہیے میں یہاں وہ واقعات محض طوالت کے خوف سے تحریر نہیں کر رہا لیکن عام مجلسوں میں آپ لوگوں کو سناتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر جو مصیبت آنے والی ہے وہ ہم نے پہلے ہی سے تمہارے نام کتاب میں لکھ دی ہے۔ اس آیت سے بھی تم کو ذہنی اور قلبی تقویت ملنی چاہیے۔ تم کو سوچنا چاہیے کہ جب اللہ نے یہ مصیبت ہمارے نام پہلے ہی لکھ دی ہے تو اس پر گھبرانا' رنج کرنا یا مایوس ہو جانا' انتہائی ناشکری' کفرانِ نعمت بلکہ ایک قسم کی بغاوت ہے۔ اگر تم آنے والی مصیبتوں کو نعمت سمجھ لو تو تم کو دائمی مسرت جیسی نعمت حاصل ہو جائے جو کہ کروڑوں اور اربوں روپے میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہاں آپ کے دل میں یقیناً یہ خیال یا سوال پیدا ہو گا کہ بھلا مصیبت کو نعمت اور رحمت کس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے قرآن پاک غور سے نہیں پڑھا۔ غور سے پڑھا ہوتا تو یہ اعتراض ہرگز دماغ میں پیدا نہ ہوتا۔ فرماتے ہیں: عَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ (قرآن کا علم ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اس میں سے نتائج اخذ کرتے ہیں) تو بہت سی آیات

ایسی ہیں کہ اگر ان کو بار بار غور سے پڑھا جائے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نہایت صحیح معنی سمجھ میں آتے ہیں۔

دیکھئے اللہ کے فرمان کے مطابق مصیبت کس طرح نعمتوں کی تکمیل کا باعث ہوتی ہے۔ مصیبت میں خدا زیادہ یاد آتا ہے اور تضرع و زاری کے ساتھ یاد آتا ہے۔ قلب میں جو غرور اور رعونت یا غصہ پیدا ہوتا ہے وہ عام جسمانی اور قلبی و دماغی کمزوری کی وجہ سے اگر بالکل کمزور نہ ہو بہت کچھ کم ضرور ہو جاتا ہے اور طبیعت شر و فساد سے ہٹ کر نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ زندگی سے مایوسی کی وجہ سے انسان اپنے پچھلے گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کر لیتا ہے۔ یہ تو ہے عوام کے لیے۔ سالکان راہ خدا کا تجربہ ہے کہ جس قدر کسی کو تکلیف ہوتی ہے اسی قدر اس کا قلبی تعلق خدا سے زیادہ ہو جاتا ہے اور قرب اور لقائے باری تعالیٰ کے حصول میں جس قدر مدد اس سے ملتی ہے وہ کسی اور ریاضت و عبادت سے نہیں ملتی۔ اب خود سوچئے کہ لقاء اور قرب خداوندی سے زیادہ بڑی نعمت اور کون سی ہو سکتی ہے اور یہی ہے وہ تکمیل نعمت جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مصیبتوں اور تکلیفوں سے سب سے بڑی نعمت جو انسان خصوصاً ایک سالک کو ملتی ہے وہ ہے قوت برداشت۔ یہ صفت اتنی اہم ہے کہ اگر انسان میں نہ ہو تو وہ یا تو پاگل ہو جائے گا یا مر جائے گا۔ غور کیجیے کہ ہر انسان کو صبح سو کر اٹھنے سے رات کو سونے تک ایسی بیسیوں باتیں پیش آتی ہیں جو اس کو سخت ناگوار گزرتی ہیں اور اس کے دماغ پر بہت برا اثر کرتی ہیں۔ مثلاً ناشتہ حسب منشاء نہ تھا ایک بچے نے پلیٹ توڑ دی‘ دوسرے نے اپنے چاقو مار لیا۔ خرچ پر بیوی سے جھڑپ ہو گئی۔ اب دفتر پہنچے تو دیکھا کہ صاحب بہادر کا پارہ کھولاؤ کے درجے تک پہنچا ہوا ہے۔ دن بھر جا و بے جا جھاڑ پڑتی رہی۔ گھر کو لوٹے تو راستے میں ایک دوست سے فضول سی بحث ہو گئی۔ الغرض نوے فیصدی لوگوں کے دن رات ایسی ہی لغویات میں صرف ہوتے ہیں۔ پہلے تو وہ برداشت کرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ عادی ہو جاتے ہیں۔ سیاست دانوں کے دن رات بھی جوڑ توڑ اور سیاسی جھگڑوں میں کٹتے ہیں۔ بہت بڑے اولوالعزم لوگ جو زمانہ باتو نساز دتو با زمانہ ستیز۔ کے اصول پر

چل کر اپنا راستہ ہی سارے ملک و معاشرے سے الگ بنانا چاہتے ہیں۔ان کے تفکرات بھی اتنے ہی شدید ہوتے ہیں۔

مہم جو بہادروں کی ہمت پر غور کیجیے موت سے لڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کرتے ہیں۔ میدان جنگ میں جب انتہائی گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو اگر فوجوں کو لڑانے والے افسر اور جنرل برداشت کی قوت سے عاری ہوں یا گھبرا جائیں تو ساری فوج کی تباہی اور شکست فاش یقینی ہے۔

چنگیز خاں کے تین برس تک سخت خارش رہی مگر اس نے تین برس میں ایک مرتبہ بھی نہیں کھجایا یہ ہے قوت برداشت۔نپولین بارہ گھنٹے گھوڑے پر سوار رہتا نیند آتی تو وہیں سو جاتا۔مصطفیٰ کمال پاشا جب پہلی جنگ عظیم میں گیلی پولی پر انگریزوں سے لڑ رہا تھا تو اس نے اپنا ہیڈ کوارٹر ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنایا تھا۔ہیڈ کوارٹر کیا تھا صرف ایک خیمہ تھا۔وہیں سے وہ اپنی فوج کو لڑاتا تھا۔ ایک دن انگریزوں نے اس قدر شدید گولہ باری کی کہ گولے خیمے سے بیس پچیس فٹ کے فاصلے پر گرنے لگے۔سٹاف کے افسروں نے کہا کہ آپ کا خیمہ اور پیچھے لگا دیں۔اس نے انکار کر دیا۔ وہیں سے فوج کو لڑاتا رہا اور آخر کار انگریزوں کو ایسی سخت شکست دی جو برطانیہ کی تاریخ میں سب سے بڑی اور سب سے تباہ کن شکست تھی۔یہ ہے قوت برداشت جس کے بغیر دنیا کے کسی عظیم الشان کام میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔

پیغمبروں کی ہمت اور قوت برداشت پر نظر کیجیے۔جاہل عوام کی اصلاح کے لیے کیسی کیسی سخت تکلیفیں اٹھاتے ہیں لیکن ان کے پائے ثبات میں تزلزل نہیں آنے پاتا۔خود اپنے نبی کریم ﷺ کی مکے کی ۱۳ سال کی زندگی کا مطالعہ کیجیے اگر حضور ﷺ دشمنوں کے مقابلے میں اس قدر ٹھنڈے دل و دماغ اور برداشت سے کام نہ لیتے اور بات بات پر مشتعل ہو جاتے دشمنوں سے لڑنے لگتے تو آج اس دنیا میں اسلام کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔یہی حال صوفیوں کا ہے جو لقائے ربانی اور قرب باری تعالیٰ کا مقصد سامنے رکھ کر سلوک طے کرتے ہیں۔ان کو بھی ہر ہر قدم پر خانگی،معاشرتی اور مالی رکاوٹوں اور حوادثات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔حالانکہ اس سلوک کے لیے

ضروری ہے کہ جب تک سالک اللہ کا خیال ذہن میں رکھے کوئی شے ارتکاز خیال میں رکاوٹ ڈالنے والی نہ ہو۔ چونکہ یہ ممکن نہیں' اس لیے لامحالہ قوت برداشت کا دامن تھامنا اور اسی کی مشق کرنی ہوتی ہے۔ جب تک قوت برداشت بدرجہ کمال حاصل نہ ہو جائے راہ سلوک میں دو قدم آگے بڑھنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے اور یہ تو صرف اتنی دیر کی بات ہے جب کہ سالک مراقبہ یا دھیان میں ہو۔ سب سے مشکل بات تو یہ ہے کہ روزانہ کی زندگی میں جو ناقابل برداشت واقعات اور حادثات پیش آتے ہیں ان کا بھی سالک کے دل پر اتنا اثر نہ ہو جو خدا کو بھلا دے مثلاً سالک کا اکلوتا جوان بیٹا مر جائے۔ بڑی عزت اور معقول تنخواہ کی نوکری چھوٹ جائے اور پاس ایک پیسہ نہ ہو اور بیوی بچوں کا خرچ ناگزیر ہو جائے' گھر میں آگ لگے یا چوری ہو جائے کہ ایک چیز بھی باقی نہ بچے۔ جھوٹا الزام لگے اور قید خانے کی ہوا کھانا پڑے۔ کوئی سخت اور لمبی بیماری آن پڑے اور علاج کی مقدرت نہ ہو۔ الغرض یہ اور ایسی ہی کئی اور مصیبتیں ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ اپنے سالکوں کو نوازتا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ ان روح فرسا اور ہوش ربا مصائب و آلام کے ہوتے ہوئے کون مائی کا لال ہے جو ان کا اثر دل پر نہ ہونے دے اور برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ اثر ضرور ہونا چاہیے کیوں کہ اسلامی تصوف میں نفس کو بالکل ہلاک کر دینا اور خواہشات کو قطعاً مٹا دینا سخت منع ہے۔ لیکن یہ اثر اگر دس پانچ منٹ نہیں تو زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے رہنا چاہیے۔ اس کے بعد جب خدا کی طرف دھیان کرے تو سوائے خدا کے کچھ بھی یاد نہ رہے۔ اس سے روحانی قوت اتنی بڑھتی ہے۔ اتنا سکون قلب حاصل ہوتا ہے کہ جس کو تجربہ ہو صرف وہی جان سکتا ہے۔

میں نے جو حلقہ توحیدیہ کی تعلیم میں تزکیہ اخلاق کے لیے غصہ کو نفی کرنا لازم قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ کی نفی سے قوت برداشت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے زمانہ کے بزرگ قوت برداشت پیدا کرنے کے لیے اپنے مریدوں کو کئی کئی سال تک سفر کرنے کا حکم دیتے تھے۔ سقے اور خاکروب کا کام کرواتے اور بھیک منگواتے تھے۔ آج زمانہ بدل چکا ہے۔ زندگی کے طریقے'

سوچنے کے انداز اور ذہنیت بالکل بدل گئے ہیں۔ اگر ایسا کوئی حکم دیا جائے تو شاید ایک آدمی بھی حلقہ میں شامل نہ ہو۔ پھر غصہ کی نفی میں یہ فائدہ ہے کہ اس کی مشق گھر ہی میں ہو سکتی ہے۔ آپ اپنی بیوی کی غلطیوں حتیٰ کہ بدمزاجی پر مطلق غصہ نہ کریں۔ بعض باتوں کو نظر انداز کر جائیں اور بعض پر نہایت میٹھے اور نرم لہجہ میں سمجھا دیں۔ بچوں کی شرارتوں اور نوکروں کی خطاؤں پر ہرگز غصہ نہ کریں بلکہ نرمی اور پیار سے سمجھا دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ادھر آپ کا غصہ بہت کم ہو جائے گا ادھر بیوی بچوں اور نوکروں کی بھی کسی نہ کسی قدر اصلاح ہو جائے گی۔ ہمارے حلقہ میں ایک صاحب ہیں جن کے غصہ سے نہ صرف گھر والے بلکہ ماں باپ اور اہل محلّہ بھی ڈرتے تھے اور ڈر کی وجہ سے کوئی ان کے پاس نہ جاتا تھا۔ وہ جب بیعت ہوئے اور میں نے غصہ کی برائیاں ان کو سمجھائیں تو انہوں نے نہ صرف دس پندرہ دن میں غصہ بالکل نفی کر دیا بلکہ اب یہ حال ہے کہ وہ گھر اور محلّہ میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز ہیں۔ وہ خود مجھے کہتے تھے کہ قبلہ صاحب جس آدمی میں غصہ ہو وہ انسان نہیں حیوان اور درندہ ہے۔

آزادیِ فکروعمل

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

قرآن کریم اپنے مخصوص انداز میں اللہ کی ازلی اورابدی بادشاہت کی نشانیوں پرغور کرنے کی دعوت دیتا ہےاور آخرت میں کفاراور مومنین کے ساتھ پیش آنے والے حالات کی تفصیل بیان کردینے کےبعدبھی ایمان لانے یا نہ لانے کا فیصلہ انسان کے ضمیر پرچھوڑ دیتا ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کوبھی یہی طرزِعمل اختیار کرنے کی تلقین کی کہ لوگوں کواپنے رب کی راہ کی طرف قرآن کی آیات حکمت اور پیار بھری نصیحتوں کے ساتھ بلائیں۔مخالفین کے ناروا اورسخت رویے سے بددل ہوکرکبھی بھی جھنجھلاہٹ اوربیزاری کا اظہار نہ کریں۔انکار کرنے والوں کی سختی کا نرمی سے جواب دیں۔اگروہ پھربھی آپ کی بات نہ مانیں تو آپ ﷺ اپنی جان کوغم میں نہ گھلائیں کیوں کہ آپ ﷺ کے ذمہ صرف میرا پیغام پہنچا دینا ہے۔لوگوں کوایمان پرمجبور کرنا آپ ﷺ کا منصب نہیں ہےاور نہ ہی آپ ﷺ منکرین کے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔آپ ﷺ کا پروردگار یہ قدرت رکھتا ہے کہ اگر چاہےتو کوئی ایسا نشان ظاہر کر دے جسے دیکھ کر زمین پر بسنے والے سارے انسان ایک دم ایمان لے آئیں لیکن انسان کے معاملے میں اللہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے اپنے ربّ کواس کی آیات سے پہچاننا اوراس پرایمان لانا انسان کی فراست کا امتحان ہے۔

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (الزمر:۴۱)

ترجمہ: ''ہم نے آپ ﷺ پرکتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے سچائی کے ساتھ نازل کی ہےتو جوشخص ہدایت پاتا ہےتواپنے بھلے کے لیے اورجوگمراہ ہوتا ہےاپنا ہی نقصان کرتا ہے آپ ﷺ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔''

﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ (التغابن:۱۲)

ترجمہ: ''اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے رسول ﷺ کے ذمے تو پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مرضی سے انسان کو جو اختیار عطا کر رکھا ہے وہ اسے ضبط میں نہیں کرنا چاہتے۔ جو انسان اللہ کی راہ میں آنا چاہے اللہ اس کے لیے آسانی فرما دیتے ہیں اور جو منہ موڑ کر چل دے اس کی راہ میں بھی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتے اور اسے اس کی راہ جانے دیتے ہیں اس لیے اشاعت دین کے لیے کبھی جبر کا سہارا نہیں لیا گیا حتیٰ کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے بدترین دشمن کو بھی ایمان لانے کی شرط عائد کیے بغیر معاف فرما دیا تھا۔ مسلمانوں کے ملک میں دوسرے مذاہب کے جو لوگ بستے ہیں ان کے مال و جان، مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کی حفاظت کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور انہیں اسلام لانے کے لیے ہرگز مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دین اسلام تو خیر خواہی کے جذبے کے تحت دنیوی و اخروی بھلائی کے لیے نصیحت اور دعوت ہے جس کسی کا سینہ حقائق اسلام کے لیے روشن ہو جائے اور اہل ایمان کی پاک صاف اور باکردار زندگی اس کے دل کو بھا جائے تو وہ برضا و رغبت دین کے دائرہ میں داخل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو مخالفین اسلام کے ساتھ بھی خوش خلقی اور شیریں کلام سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور خبردار کیا ہے کہ شیطان ازلی دشمن کی وجہ سے انسانوں میں عداوت اور جھگڑے پیدا کرنے سے نہیں چوکتا۔ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے تمہیں بنی نوع انسان میں مذہبی تعصب کی بنیاد پر تفرقہ اور جھگڑا نہیں ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت بڑے غور سے پڑھیے:

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا (بنی اسرائیل:۵۳:۵۴)

ترجمہ: ’’اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ لوگوں سے ایسی باتیں کہا کریں جو بہت ہی پسندیدہ ہوں بے شک شیطان (بری باتوں سے) ان میں فساد ڈلواتا ہے کچھ شک نہیں کہ شیطان بنی نوع انسان کا کھلا دشمن ہے تمہارا ربّ تم سے خوب واقف ہے اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو عذاب دے۔ اور ہم نے آپ ﷺ کو ان پر داروغہ بنا کے نہیں بھیجا۔‘‘

کفار کے جذبات کا احساس: جو لوگ پتھر کے بتوں یا دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں ان کے دلوں میں اپنے باطل معبودوں کے لیے ویسا ہی احترام ہوتا ہے جیسا مومنوں کے دلوں میں اللہ کے لیے ہے۔ ان کو اپنے عقائد اپنی جانوں سے بھی پیارے اور اچھے لگتے ہیں اس لیے تو ان سے چمٹے رہتے ہیں، مشرکین اپنے بتوں کی ہتک یا ان کے خلاف ناپسندیدہ کلمات سننا ہرگز گوارہ نہیں کرتے ۔ ان کے نزدیک ان کے جھوٹے خدا نہایت ہی مقدس اور بزرگ ہستیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے عقائد و جذبات اور احساسات کو بھی مدنظر رکھنے کے لیے جو تلقین فرمائی ہے وہ قابل غور اور مبلغین اسلام کے لیے مشعل راہ ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكُواْ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ۝ وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّواْ اللّٰهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ (الانعام:۱۰۷۔۱۰۸)

ترجمہ: ’’(اللہ کا ہدایت و کفر کا اپنا ایک نظام ہے) اگر اللہ چاہتا تو مشرکین شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ آپ ان کے داروغہ ہیں۔ اے اہل ایمان جن ہستیوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا بھلا نہ کہنا کہیں یہ بھی بے سمجھے بے ادبی سے اللہ کو برا کہہ بیٹھیں تو فطری بات ہے کہ ہر امت کو ان کے اعمال ہی خوش نما لگتے ہیں (تم فکرمند نہ ہو) آخر کار تو ان کو اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے تب وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ فرما دیا کہ آپ ﷺ کی پوری کوشش کے باوجود

سب لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔کئی لوگوں کے دل ان کی مسلسل بداعمالیوں اور شرارتوں کے سبب مردہ ہو چکے ہیں۔آپ ﷺ کی نصیحتیں اور قرآن کی آیات کا اثر ان پر بالکل نہیں ہوتا کیوں کہ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں اس لیے اگر مشرکین عقیدہ توحید کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنے بتوں کی پرستش پر ہی اڑے رہنے پر بضد ہیں تو پھر ان الفاظ کے ساتھ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے:

﴿قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ o فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ (الزمر:۱۴۔۱۵)

ترجمہ: ''آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں اپنے دین کو خالص کر کے اللہ کی بندگی کرتا ہوں اے گروہ مشرکین تم اس کے سوا جس کی چاہو پرستش کرو۔''

تبلیغ دین اور اصلاح کا کام وسعت قلب، تحمل اور قوت برداشت کا متقاضی ہے۔ اللہ کی طرف بلانے والے کے دل میں جب تک اللہ کی مخلوق کے لیے احترام و محبت اور شفقت و رحمت کے جذبات موجزن نہ ہوں، دعوت دین کا کام بارآور نہیں ہوسکتا۔یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسانوں کے دل اللہ کی مٹھی میں ہیں وہ جس کسی کو اور جب چاہے ہدایت نصیب فرما سکتا ہے اور اگر کسی پر اس کے برے اعمال کی وجہ سے بدبختی غالب آچکی ہو تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔بایں ہمہ انسانیت کے ناطے اور اللہ کی مخلوق ہونے کے رشتے سے کفار و مشرکین اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری اور احترام آدمیت کے جذبہ کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہیے اور انسانوں کی بھلائی کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے اس طرز عمل کے بغیر عالم گیر معاشرے کے قیام اور وحدت آدمیت کا حسین خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اپنے اندر اللہ جیسی عادات و اخلاق پیدا کرو۔اس طرح جس طرح اللہ اپنی مخلوق سے پیار کرتا اور کافر و مومن کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اسی طرح مومن کو بھی عالم گیر محبت کا اصول اپنانا چاہیے اور اپنے کسی قول و فعل سے کسی انسان کو دکھ، رنج، تکلیف یا نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔

نقوشِ مہر ووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

باباجانؒ سے پوچھا گیا کہ قبلہ انصاری صاحبؒ نے مراقبے پر کیوں اتنی توجہ نہیں دی۔ باقی ذکر کا تو بہت زیادہ کہا ہے۔یہ کیوں نہیں کہا کہ مراقبہ کریں؟

باباجانؒ فرمانے لگے کہ ہاں تعمیر ملت میں تو دیا ہوا ہے۔باباجیؒ کا اخلاق پر بہت زیادہ زور تھا کہ یہ کریکٹر جو ہے انسان کا وہ صحیح ہونا چاہئے۔یہ ساری تگ و دو، ذکر اذکار جو بھی کرتے ہیں، یہ نماز اور سب کا مطلب یہ ہے کہ ہم Change ہو جائیں۔اگر ہم Change نہیں ہوتے تو پھر کوئی بات نہیں۔ جتنی بھی عبادات ہیں These are means to some end. یہ بذاتِ خود مقصود نہیں ہیں کہ نماز پڑھنی ہے بس جی۔نماز اس لئے پڑھنی ہے تا کہ ہم میں فلاں فلاں خوبیاں پیدا ہو جائیں۔روزہ اس لئے رکھنا ہے کہ یہ بات ہم میں پیدا ہو جائے۔ اللہ نے تقویٰ کہا کہ تقویٰ پیدا ہو جائے۔اب باقی چیزیں جو Side effects ہیں یا جس کو ہم بنا دیتے ہیں کہ جیسے روزہ کا کہتے ہیں کہ جی بھوک کا احساس ہوتا ہے۔یہ جب اللہ نہیں کہتا تو ہم اس کو کیوں بنائیں کہ یہ اس لئے ہے۔روزہ سے بھوک کا اگر حساب لگانا ہے تو پھر بھوکوں کو نہ رکھاؤ۔وہ تو پہلے ہی بھوکے مر رہے ہیں تو ان کو روزے نہ رکھاؤ۔مطلب یہ کہ جو اللہ نے کہا، جو Main چیز ہے، وہ ہی بتائیں تقویٰ مراد ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُون . (سورۃ البقرہ ۲۔آیت ۱۸۳)

تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔اللہ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔تقویٰ یہی ہے بچ جانا۔حضرت کعبؓ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟

انہوں نے یہی مثال دی کہ کبھی آپ ایسے راستے پہ چلے ہیں کہ تنگ راستہ ہو، کانٹے دار جھاڑیوں میں سے گزرنا ہو۔ کبھی آپ چلے ہیں تو انہوں نے کہا: ہاں تو کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اپنا دامن اور کپڑے سمیٹ لیتے ہیں تا کہ کوئی ان کے ساتھ اُلجھ نہ جائے۔ یہی تقویٰ ہے کہ راستہ بھی چلنا ہے، جانا بھی ضرور ہے نہیں چلیں گے تو پہنچیں گے بھی نہیں۔ Travel بھی کرنا ہے اور اسی راہ پر چلنا ہے۔ آس پاس جھاڑیاں کانٹے دار ہیں۔ اگر لباس ایسا ہوگا تو کسی نہ کسی سے اُلجھ جائے گا، پھٹ جائے گا۔ داغدار ہو جائے گا۔ کپڑے اپنے سمیٹ کے، اپنے آپ کو یہاں سے بچاتے ہوئے چلنا ہے۔ یہی تقویٰ کا جذبہ ہے کہ اس راہ پر چلنا ہے تو خدا کی محبت کی جو چادر، اسلام کے تابع فرمان ہونے کی جو آپ نے اپنے اوپر لے لی ہے تو یہ داغدار نہ ہو جائے۔ اس کو بچا کے چلنا ہے تو یہ اس کو تقویٰ کہا گیا۔

یہ بالکل صحیح مثال ہے اس سے بچ جانا جو ہے وہ ہے۔ ان سے بچنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔ بھوک لگی ہوئی ہے۔ وہ چیز موجود ہے، سامنے پڑی ہوئی ہے لیکن کھائی نہیں ہے۔ ہمارے بچے بھی ماشاءاللہ چھوٹے چھوٹے جو ہیں وہ بھی روزے رکھتے ہیں کہ آج روزہ رکھا ہے وہ بھی توڑتے نہیں ہیں۔ ان کو بھی پتا ہے کہ روزہ توڑنا نہیں ہے۔ یہ پانی پینے سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح نماز ہے۔ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۔ (سورۃ العنکبوت ۲۹۔ آیت ۴۵) وہ تمھیں بچا لیتی ہے۔

اصل میں وہ ہے ناں اخلاق والی بات، اندر کی تبدیلی والی بات وہ زیادہ اہم ہے بجائے اس کے کہ مراقبے میں ایک چیز آپ کو دکھائی دے جائے۔ صورتیں دکھائی دیں۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کو جب مولانا کریم الدین احمدؒ نے خلافت دی تو باباجیؒ نے کہا کہ مجھے تو ابھی پتا ہی نہیں کہ اللہ میاں کہاں ہے؟ آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ تم خلیفہ بن گئے ہو، بیعت کر سکتے ہو۔ مجھے تو ابھی پتا ہی نہیں ہے کہ اللہ میاں کدھر ہے؟ انہوں نے کہا کہ تمہارے لطیفے کھل گئے ہیں، وہ قلب اور سر اور وہ۔۔۔ جب ذکر کرتے ہیں تو روشنیاں نظر آتی ہیں۔

(باباجانؒ نے اشارہ کر کے بتایا کہ)ادھر بھی لائیٹ نظر آتی ہے۔ادھر زرد رنگ کی، ادھر سبز رنگ کی۔لطائف جو ہیں یہ جیسے جیسے کھلتے ہیں، ویسے ویسے ان کے چراغ جلتے ہیں۔نقشبندیہ میں جو کرتے ہیں، ان کا یہ ہوتا ہے۔وہ چھ ضربی ذکر کرتے ہیں۔ادھر قلب پہ ضرب لگاؤ، اِدھر لگاؤ، پھر اُدھر لگاؤ۔چھ جگہ کے پوائنٹ رکھے ہوتے ہیں جن پر ضرب لگاتے ہیں۔وہ لا الہ الا اللہ میں لا الہ ایک مرتبہ کرتے ہیں اور الا اللہ ،الا اللہ ،الا اللہ کی ضرب وہ چھ پوائنٹ جو بتائے جاتے ہیں ان سب پر ایک ایک مرتبہ لگاتے ہیں، یا سہ ضربی کرتے ہیں۔باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے شروع شروع میں تھوڑی دیر یہ کرایا بھی لیکن پھر بند کرا دیا کہ نہیں ایک ضرب کافی ہے۔(دل کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ)ادھر ہو گا تو سب میں Travel کر جائے گا Complication کی ضرورت نہیں ہے۔ایک یہی کرایا۔

باباجیؒ نے مولانا کریم الدین احمدؒ کو کہا بھی کہ میں یہ روشنیاں رنگ برنگ کی دیکھنے کے لئے تو بیعت نہیں ہوا تھا۔لطیفہ کھلنا بڑی بات ہوتی ہے۔اب بھی ہمارے پاس ایک مولوی صاحب (مولوی شوکت صاحب) آیا کرتے تھے۔یہ بڑا اسارا جوان داڑھی والا تھا۔انہوں نے اسی طرح ذکر کیا تھا تو ان کے بھی لطیفے سارے کھل گئے تھے۔یہ علی رضا ان کا یار تھا۔جب یہ ادھر آ گیا تو اس نے سلوک کی آگے کی باتیں کیں، تو وہ بڑا حیران ہوا کہ کل یہ بیعت ہوا ہے اور آج یہ اوپر کی باتیں کرتا ہے۔عالم بالا کی باتیں کرتا ہے۔پھر اس نے آنا شروع کیا۔وہ اب بھی بڑی محنت کر رہا تھا۔اتنے ہزار دفعہ ذکر کرتا ہے، تو وہ اب بھی اسی طرح کرتا تھا۔اس میں وہ بتیوں والی، روشنیوں والی بات تھی۔ تو یہ بات ہے۔

باباجیؒ نے کہا کہ میں نے یہ بتیاں دیکھنی ہوتیں تو ایک آنے کا پلیٹ فارم ٹکٹ لے کر دیکھ آتا۔پلیٹ فارم ٹکٹ اس وقت ایک آنے کا ملتا تھا۔باباجیؒ نے کہا کہ ایک آنے کا پلیٹ فارم والا ٹکٹ لے لو اور دہلی ریلوے سٹیشن چلے جاؤ، وہاں پہ اس سے زیادہ رنگ والی روشنیاں نظر آتی ہیں روشنیاں دیکھنے کا کیا ہے؟ یہ آپ کو نظر آئیں گی تو پھر کیا ہے؟ یہ جو اندر Change ہے

اور یہ جو Character ہے وہ تو ان سے نہیں ملتا۔ مگر انہوں نے (مولانا کریم الدین احمدؒ نے) کہا کہ یہ لطیفے کھل جانا بھی بڑی بات ہے، لوگوں کے سالہا سال تک نہیں کھلتے۔ بہرحال اُنہوں نے پیار کیا اور کہا کہ اللہ تمہیں ضرور ملے گا۔ تصوف میں یہی کچھ ہے۔ یہ ہو گیا تو بس جی آپ پیر بن گئے۔ آپ آگے بھی توجہ دے سکتے ہیں۔ اب آپ کو خلافت دی جاتی ہے۔ تو (مولانا کریم الدین احمدؒ نے) دے دی خلافت انہوں نے، بہرحال بعد میں استعمال کی۔ لیکن باباجیؒ نے ان کو یہی کہا کہ میں نے یہ لے کر کیا کرنا ہے؟ (مولانا کریم الدین احمدؒ نے) آپؒ کو نسخہ اکسیر والا، سونا بنانے کا دیا تو وہ بھی آپؒ نے پھینک دیا باہر۔ (مزاح کے انداز میں باباجانؒ فرمانے لگے کہ) کیا خیال ہے باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) رکھ لیتے تو اچھا ہی تھا ناں؟ آپؒ نے پھینک دیا اس کو کہ مجھے نہیں چاہئے۔

کسی بزرگ کے پاس اس لئے بیعت ہونا کہ مجھے سونا بنانا آجائے، دنیا کی دولت مل جائے تو فرمایا: لعنت ہے ایسی پیری فقیری پہ۔ مجھے وہ بتاؤ کہ اللہ میاں جی کہاں ہیں؟ وہ تو پیار والے لوگ تھے، فدا ہوئے۔ یہ پیسہ کیا ہے؟ مجھے یہ پیسہ نہیں چاہئے۔ انہوں نے وہ اکسیر کی بوتل باہر پھینک دی، توڑ دیا اس کو کہ مجھے یہ نہیں چاہئے۔ وہ مولانا صاحب خود بھی کونسا عیش و عشرت سے رہتے تھے۔ لکھا ہے کہ کھدر کا ایک ہی جوڑا رکھتے تھے۔ چھ مہینے کے بعد نیا بنوا لیتے تھے۔ نسخہ اکسیر پاس ہے مگر کھدر کا ایک ہی جوڑا پہنتے اور اسے ہی جمعہ کے جمعہ دھو کر دوبارہ پہن لیتے۔ اکسیر بھی ان ہی کے پاس مخفی ہے، اور کسی کے پاس مخفی بھی نہیں۔

ویسے کرنا چاہئے تھوڑا۔ جب آدمی چل جائے تو مراقبات کرنے چاہئیں۔ بیٹھ کے تھوڑا کرے۔ دھیان سے دیکھے۔ Concentration سے بہت سی چیزیں کھلتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ نفی اثبات اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو الگ سے اس مراقبے کی ضرورت نہیں رہتی اگر آپ صحیح طریقے سے جیسے بتایا گیا ہے کہ ایسے کرو تو آپ کو ان مراقبات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ ہے ہی ایسا۔ اس کی Built in ہی ایسی ہے کہ آپ نفی کر کے پھر اثبات کرتے ہیں۔ نفی کر کے

اثبات کرنا ہے۔مراقبے کی یہی بات ہے کہ آپ سارے خیال نفی کر کے ایک پوائنٹ پر Concentrate کر کے بیٹھیں۔اگر ذکر نفی اثبات صحیح طریقے سے کریں گے، لا الٰہ پوری نفی

باباجیؒ نے لکھا بھی ہے کہ روزانہ ذکر اگر ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ کریں، آرام سے۔صحیح کریں لا الہ پھر ضرب لگائیں تو ٹھہریں وہاں بھی تین، چار، پانچ سیکنڈ کہا ہے۔تو یہ پانچ سیکنڈ بڑا اہم ہوتا ہے۔اگر پانچ سیکنڈ کرلیں تو وہ بڑا صحیح ہو جائے۔آگے بھی چلو آیات کا بتایا جاتا ہے، لکھی ہوئیں ہیں یہ باتیں، بہر حال اجازت سے ہی کرنا چاہئے۔شروع میں نہیں کرنا چاہئے ورنہ یہ سرور ونشہ جو ہے یہ خراب ہو جاتا ہے۔پھر خوب اسی کو کرو نفی اثبات کو، پھر اس پہ بتایا کہ قرآن کی آیات جو ہیں؛

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ. (سورۃ الحدید ۵۷۔آیت ۴) تم کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔اگر اس کا کیا جائے کہ وہ ہے، وہ آپ کے ساتھ ہے کہ اندر رہا ہو رہی ہے۔اسی خیال میں بیٹھا جائے کچھ دیر۔تو وہ کھل جاتی ہیں چیزیں اور آگے وہ چلتی ہیں۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ . (سورۃ الحدید ۵۷۔آیت ۳)

اس کا کیا جائے۔آپؒ (خواجہ عبد الحکیم انصاری صاحبؒ) نے اس لئے نہیں کیا کہ یہ جو ذکر کی بنیاد ہے یہ نفی اثبات کی۔یہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو پھر اس کی ضرورت نہیں رہتی۔

کشف و کرامات بھی جو ہیں ان کو باباجیؒ اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ ان سے Derail ہونے والے زیادہ دیکھے ہیں، پار جانے والے تھوڑے دیکھے ہیں۔اِدھر رہ جانے والے بہت ہیں، اس میں ہی پھنس کے رہ جاتے ہیں۔اس میں زیادہ پھنس جاتے ہیں۔کشف و کرامات ہوئے تو بس وہ بزرگی کی فضا پہ چڑھ گئے۔بزرگ بن گئے۔پیر بن گئے۔آگے گم ہی گئے۔

حقیقت ذکرِ الٰہی (قسط اوّل)

(ایم ابوبکر غزنوی)

اگر روحانی بیماریوں کا جائزہ لیا جائے، تو حقیقت میں بیماریاں دو ہی ہیں:

۱) عقیدہ و عمل میں تضاد کی بیماری:

اس بیماری میں عقیدہ درست ہوتا ہے، ذہن خیر و شر میں حدِ فاصل کھینچتا ہے، لیکن اعضاء و جوارح عقیدے کا ساتھ نہیں دیتے۔ عقل کہتی ہے کہ اللہ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہیے، مگر عین اس وقت جب عقل یہ کہہ رہی ہوتی ہے، انسان محسوس کرتا ہے کہ حبِّ مال، حبِّ جاہ، حبِّ حسن مجاز، اللہ کی محبت پر چھا گئی ہے، انسان تسلیم کرتا ہے کہ غیر اللہ کا ڈر دِل میں نہیں ہونا چاہیے، مگر دل میں جھانکتا ہے، تو جھوٹے خداوؤں کے خوف میں اسے ملوث پاتا ہے۔ انسان مانتا ہے کہ حسد، بغض، کینہ، عناد، تکبر، بخل روحانی بیماریاں ہیں اور دِل ان سے پاک ہونا چاہیے، مگر اس کے باوجود وہ دل میں ان سانپوں کو رینگتا ہوا دیکھتا ہے۔ ذہن میں سوال اُبھرتا ہے کہ عقیدہ و عمل کے اس تضاد کا علاج کیا ہے!!!!

۲) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود عقیدے کی چولیں ڈھیلی ہو جاتی ہیں۔ ذہن خیر و شر میں واضح طور پر حدِ فاصل نہیں کھینچتا۔ عقل سرکش ہو کر چھوٹ جاتی ہے اور ہر وہ بات جو اس کی گرفت میں نہیں آتی، اس کے وجود ہی سے منکر ہو بیٹھتی ہے۔ اس بیماری میں سوچنے کا انداز یوں ہوتا ہے جانے اس کائنات کا نظام چلانے والا کوئی ہے بھی کہ نہیں !!۔ وحی و تنزیل کی حقیقت کیا ہے! وحی غیر مرئی، ملائکہ کا وجود غیر مرئی، خدا کی ہستی نا قابلِ ادراک۔ روح کا کوئی مستقل وجود ہے یا حیات مادّے ہی کا خاصہ ہے اور مادّے سے ہٹ کر حیات کا کوئی وجود نہیں۔

پھر حیات بعد الممات کیا ہے؟ ہر وہ شے جو حواس کی گرفت میں آتی ہے، انسان اس کے وجود میں متشکک ہو جاتا ہے، اس تشکیک کا علاج کیا ہے؟

عقیدہ وعمل میں تضاد:

عقیدے اور عمل میں تضاد کیوں ہوتا ہے؟ انسان کا وجود مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب ہے۔اس کے خمیر میں حیوانیت بہیمیت، سبعیت، ملکیت، یہ سب کچھ گندھا ہوا ہے۔ جب ملکیت بہیمیت و سبعیت سے مغلوب ہو جاتی ہے، عقیدہ وعمل میں تضاد رونما ہوتا ہے۔ جب نفسانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اعضاء ذہن کا ساتھ نہیں دیتے۔اس آیت میں اسی حقیقت کی نشان دہی کی گئی ہے: إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (12:53)

''بے شک نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے''۔

قرآن مجید میں نفس کے علاوہ ایک اور دشمن کی خبر دی ہے جو برائی پر اکسانے والا ہے۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا (35: 6)

''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے۔اسے (دل و دماغ کی ہم آہنگی کے ساتھ) دشمن سمجھو''۔

شیطان کی حقیقت:

شیطان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے''۔

اور اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں، جیسے انسانی جسم میں ہوا کی آمد و شد جاری ہے، جیسے بجلی جسم میں سرایت کر جاتی ہے، شیطان کی ارواح ہیں، ان کا جسم میں سرایت کر جانا آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ شیطان بڑا گھاگ اور زرانٹ ہے۔وہ سرد وگرم عالم میں پوشیدہ ہے۔ اس نے چرخ کی ان گنت گردشیں دیکھی ہیں وہ ہر شخص کی کمزوریوں پہ نظر رکھتا ہے اور نفس کے کمزور ترین حصے کو چھوتا ہے۔وہ ایسا احمق نہیں کہ جس شخص کے خمیر میں فیاضی گندھی ہوئی ہو، جس کی ہڈیوں میں سخاوت رچی ہوئی ہو، وہ اسے بخل پر آمادہ کرے گا! وہ اسے اسراف پر آمادہ کرے گا! وہ اسے تبذیر پہ مائل کرے گا! وہ اسے بے جا اور بے محل خرچ کرنے پر اکسائے گا! وہ ایک نازک مزاج شاعر کو قتل و غارت پر آمادہ نہیں کرے گا۔وہ سمجھتا ہے کہ اس میں دھینگا مشتی

کی صلاحیت نہیں۔ وہ اسے شراب نوشی اور حسن پرستی پر اکساتا ہے۔

پس نفس اور شیطان دو بڑے دشمن ہیں اور نفس شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے۔ آدم و حوا کو شیطان نے بہکایا ''فازلھما الشیطان '' مگر خود شیطان کو کس نے بہکایا؟ اسے نفس نے ہی بہکایا۔ اس وقت تو کوئی اور شیطان نہ تھا۔

علاج: اب سوال یہ ہے کہ نفس اور شیطان کو کیسے پچھاڑیں؟ انہیں پچھاڑنے کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی حقیقت معلوم کریں۔ امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الشیطان جاثم علیٰ قلب ابن آدم فاذاذ کر اللّٰہ خنس و اذا غفل وسوس (بخاری شریف)

''شیطان آدمی کے دل پر جم کر بیٹھتا ہے۔ جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جونہی انسان ذکر سے غافل ہوتا ہے، جی میں وسوسے ڈالتا ہے''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان کو جو ابن آدم کے دل پر جم کے بیٹھتا ہے اور رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہے، آدمی کے جثے سے باہر آنا پڑتا ہے اور جب تک آدمی ذکر میں مشغول رہتا ہے، ذکر کا نور اسے قریب نہیں آنے دیتا۔

آپ یقین کیجیے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہیں، شیاطین نے ان کے سینوں کو اپنا نشیمن بنا رکھا ہے: وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ

ترجمہ: "جو شخص اس رحم کرنے والے آقا کے ذکر سے اندھا ہو جاتا ہے، ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں اور وہ شیطان ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے''۔

وہ خدا جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا اور جس نے بتدریج ہمیں حد کمال تک پہنچایا، وہ خدا جو دن رات ہم پر جسمانی ذہنی اور روحانی نوازشوں کی بارش کرتا ہے، ہم میں سے جو اس محسن اعظم کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ کا قانون یہی ہے کہ اس احسان فراموش کی روحانی

مناسبت شیاطین سے ہو جاتی ہے۔

ذکر الٰہی چونکہ شیطان کے حق میں بمباری سے کم نہیں، اس لیے وہ جس پر مسلط ہوتا ہے، پہلا کام وہ یہ کرتا ہے کہ اسے اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے۔

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُوْلَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (19:58)

ترجمہ: ''**شیطان ان پر مسلط ہوا تو اللہ کا ذکر انہیں بھلا دیا۔ یہی لوگ شیطان کی ٹولی ہیں۔** دیکھو! شیطان کی ٹولی ہی گھاٹے میں رہنے والی ہے''۔

جب بھی کوئی دشمن پر قابو پاتا ہے، تو سب سے پہلے وہ دشمن سے ان ہتھیاروں کو چھینتا ہے جو اس کے لیے ہلاکت کا سامان ہیں۔ اس آیت سے اور بھی وضاحت ہو گئی کہ ذکر الٰہی شیطان کے لیے حد درجہ ہلاکت آفرین ہے جبھی تو انسان پر قابو پاتے ہی ذکر الٰہی سے غافل کرنے کی فکر سب سے پہلے اسے دامن گیر ہوتی ہے۔

پس یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں شیطان کا علاج ذکر الٰہی ہے آیئے! قرآن و حدیث کی روشنی میں نفس کا علاج تلاش کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لکل شیء صقالہ و صقالہ القلوب ذکر اللّٰہ

ترجمہ: ''ہر شے کو چمکانے کے لیے پالش ہوتی ہے اگر دلوں کو تم صیقل کرنا چاہو تو اللہ کے ذکر سے کرو''۔

پس اگر دل کو حسد، بغض، تکبر، بخل کے گرد و غبار سے صاف کرنا چاہو تو اس کی تدبیر بھی ذکر الٰہی ہے۔

دوام ذکر: چونکہ نفس اور شیطان دونوں کا علاج ذکر ہی ہے، اسی لیے قرآن نے دوام ذکر پر زور دیا:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلاَةَ فَاذْكُرُواْ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِكُم (102:4)

ترجمہ: ''جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو اللہ کا ذکر کرو اٹھتے بیٹھتے، پہلو بدلتے ہوئے۔

اور اللہ والوں کے بارے میں فرمایا:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (191:3)

ترجمہ ''وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں''۔

اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ صلح ہو یا جنگ ہو، بزم ہو یا رزم ہو اللہ کا ذکر مسلسل اور پیہم کرو۔

سورۃ انفال میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ(8 :46)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب کسی جتھے سے تمہاری ٹکر ہو جائے تو جم کر لڑو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، تا کہ تمہیں کامرانی حاصل ہو''۔

جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے کہا کہ فرعون سرکش ہو گیا۔ جاؤ اسے سمجھاؤ تو ساتھ ہی کہا۔''میری یاد میں سستی نہ کرنا''۔(42:20)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آیا:

كان يذكرو الله علىٰ كل احيانه(مسلم)

ترجمہ: ''وہ ہر آن، ہر لحہ اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

عبداللہ بن بشرؓ سے روایت ہے ایک صحابی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ!''اسلام کے احکام تو بہت سے ہیں مجھے کوئی ایک بات ایسی بتا دیجیے جسے میں اپنا دستور العمل ٹھہرا لوں''۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ترجمہ: ''تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہے''

پس دوام ذکر ہی عقیدہ و عمل میں تضاد کا علاج ہے۔ اسی سے ملکیت بہیمیت پر غالب ہوتی ہے اسی سے تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ اسی سے جذبات کی تطہیر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جنھیں اللہ کے راستے کی معرفت حاصل ہوئی وہ اللہ کی یاد سے پل بھر کی غفلت کو بھی معصیت سمجھتے ہیں۔

صرف عصیاں ہوا وہ لحظہ عمر جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

پس وہ تمام مذہبی جماعتیں جو ذکر الٰہی کی الٹی سیدھی تعبیریں کرتی ہیں اور ذکر الٰہی سے

گریز کی راہیں ڈھونڈتی ہیں، ان کے نظریات وافکار میں شیطانی وساوس کا دخل ہوتا ہے۔ شیطان ان کے جی میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ ذکرِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ وہ یاد رہے۔ یعنی اس کا خیال رہے اور خیال کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اس کے بتلائے ہوئے کاموں پر عمل کیا جائے۔ یوں شیطان بہکا پھسلا کر ذکرِ الٰہی سے انھیں غافل کر دیتا ہے اور ان پر مسلط ہو جاتا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے گریز قرآن مجید کی نظر میں منافقت کی نشانی ہے۔

ولا یذکرون اللہ الا قلیلاً (141:4)

جو فرقہ اللہ کی عبادت سے فرار کے بہانے تراشے اور یہ کہے کہ قرآن مجید میں تو پانچ نمازوں کا ذکر کہیں نہیں ہے، خود اللہ کی عبادت سے یہ فرار میری نظر میں ان کی ضلالت اور گمراہی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ عمل کہ جب سے فرض ہوا، اس وقت سے لے کر آج تک پورے عالم اسلامی میں بلا ناغہ پانچ وقت دہرایا گیا۔ اللہ والوں کی تو یہ پہچان ہے کہ وہ اس کی بارگاہ میں بار بار حاضر ہونے کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ پانچ نمازوں سے بھی ان کی محبت کی پیاس نہیں بجھتی۔ کبھی چاشت اور کبھی اشراق، کبھی صلوٰۃ اوابین اور کبھی صلوٰۃ تسبیح سے پیاس بجھاتے ہیں۔ وہ الذین یبیتون لربھم سجدا و قیاماً کی مجسم تفسیر ہوتے ہیں۔ ان کی راتیں اس عالم میں بسر ہوتی ہیں کہ کبھی اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ کہاں یہ نفوسِ قدسیہ کہ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، پہلو بدلتے ہوئے آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی ان کی زبانیں اور ان کی روحیں ذکرِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی ہیں اور کہاں وہ بندگانِ غفلت شعار اور گم کشتگانِ راہ کہ ان کے لائحہ عمل میں ذکرِ الٰہی کا سرے سے مذکور ہی نہیں۔

(جاری ہے)

حاجی رود بہ کعبہ (قسط نمبر 4)

(طارق محمود)

حاجی رود بہ کعبہ و من طالب دیدار
او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

مناسک حج: سہولیات کے اعتبار سے سرکاری حج سکیم، پرائیویٹ پیکج سے کم تر تصور کی جاتی ہے۔سوائے چالیس سے پینتالیس دن کے لازمی قیام کے، اس سکیم میں بھی کوئی قابل ذکر مشکل دیکھنے میں نہیں آئی۔چند دہائیاں پہلے یقیناً مناسک حج کی ادائیگی اتنی آسان نہیں ہوگی قربانی کا انتظام بذمہ سرکار اور جمروں کو کنکریاں مارنے کے لیے جدید انتظامات ہو جانے کے بعد بھگدڑ اور افراتفری کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔یہ صرف زائرین کی بے صبری اور خود غرضی ہے جس کی وجہ سے کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔آٹھ سے بارہ ذی الحج، پانچ ایام حج کی روداد کچھ یوں ہے۔

پہلا دن (8 ذی الحج) مکہ سے منیٰ روانگی اور منیٰ میں رات تک قیام:

سننے میں آیا تھا کہ ٹریفک کے انتظامات کے تحت 7 ذی الحج کو رات کے کسی پہر ہوٹل سے منیٰ لے جایا جائے گا۔اس ایک رات کی بے وجہ بے آرامی کا حل یہ سوچا کہ رات ہوٹل میں سکون کی نیند سو کے فجر کے بعد چلا جاؤں گا۔لیکن پہلی خبر یہ ہوئی کہ منیٰ روانگی کے لیے آٹھ ذی الحج کی صبح، سات بجے کا وقت دیا گیا۔معاونین حجاج میں کچھ سوجھ بوجھ یا احساس ذمہ داری ہوتا تو وہ سب کے لیے ایک ہی وقت بتانے کی بجائے مرحلہ وار ہر منزل والوں کے لیے روانگی کا شیڈول بنا سکتے تھے۔دو تین بسیں تھیں جن میں بیٹھنے کے لیے دھکم پیل ہونا ہی تھی۔ہم دونوں نے انتظار کرنا مناسب سمجھا۔خیال تو یہی تھا کہ مکتب اور خیمہ الاٹ کیا جا چکا ہے۔جگہ کا انتظام بھی یقیناً

کیا گیا ہوگا پھر جلد بازی سے کیا حاصل؟بسوں کے آخری چکر میں اطمینان سے سوار ہوئے اور تقریباً گیارہ بجے مکتب نمبر 11 میں پہنچا دیے گئے۔

خیمہ میں پہنچا تو دیکھا کہ زائرین 6فٹ*2فٹ کے گدوں پر نیم دراز یا لیٹے ہوئے تھے تین قطاریں جن کے درمیان دو فٹ کا راستہ اور ہر قطار میں بیس پچیس گدے،کوئی ایک جگہ بھی خالی نہ تھی۔قریب سے آواز آئی کہ اب ڈھونڈ لیں جگہ،دیکھ لیا نتیجہ آرام سے آنے کا؟یہ منصور تھے جو پہلی بس میں سوار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔فی کس جگہ اتنی کم تھی کہ اس میں سمٹنے کی بھی گنجائش نہ تھی۔خیمہ میں ٹھنڈک کے لیے واٹر کولر سے پائپوں کے ذریعے ہوا کا انتظام تھا۔اس ماحول میں خوش نصیب وہ ٹھہرے جن کو ٹھنڈی ہوا تک براہ راست رسائی مل گئی۔معلم کے کارندے نے مجھے کھڑے دیکھ کر ایک گدا کسی سے واگزار کروایا اور درمیانی راستے میں بچھا دیا۔گزرنے والوں کی وجہ سے اس جگہ بیٹھ کر ہی وقت گزارا ممکن تھا۔

سفر بے شک حج کا ہی ہو،جبلی خودغرضی،نفسا نفسی اور بدنظمی کا نہ ہونا ممکن نہیں۔کچھ وقت منٰی،عرفات روڈ پر چلتے پھرتے گزارا۔مناسک شکم کا ایک مرحلہ بھی طے ہوا۔

ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو ٹریننگ پروگرام اور رہنمائے حج کی ہدایات دھری کی دھری رہ گئیں آج جمعہ کا دن تھا اور اس کے متعلق کوئی واضح ہدایت کہیں نہیں دی گئی تھی۔ہمارا خیمہ ایک قد آدم رکاوٹ لگا کر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا جبکہ آوازیں بلا روک ٹوک آر پار جاتی تھیں۔دوسری طرف والوں نے تو جمعہ پڑھنے پر اتفاق کرلیا اور ایک مبلغ نے خطابت کے جوہر دکھانے شروع کردیے۔ہمارے والے حصے میں قصر پڑھنے یا نہ پڑھنے پر اظہار خیال شروع ہوگیا۔چوں کہ مدینے سے واپس آنے اور ایام حج شروع ہونے تک گیارہ دن بنتے تھے اس لیے اتفاق قصر پر ہی ہوا۔یہ بھی خوب منظر تھا کہ ایک ہی خیمہ کی چھت کے نیچے دو،دو اذانیں ہو رہی تھیں۔

ہمارا خیمہ مسجد خیف سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔لیکن قریبی راستے سے داخلہ بند کیے جانے کے سبب چکر کاٹ کر جانا پڑتا تھا۔تقریباً آدھے گھنٹے کی پیدل مسافت بنتی تھی

ظہر کے بعد علی اور گل محمد مسجد کا راستہ دیکھ آئے تو ان سے معلومات لے کر میں نے بھی مسجد خیف کا رخ کیا۔ مغرب کی نماز میں گھنٹہ بھر باقی تھا۔ مسجد زائرین سے بھری ہوئی تھی جن میں سے اکثریت محو استراحت تھی۔ باوجود اس کے کہ لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی، سونے والے کان لپیٹ کر سو رہے تھے۔ اے۔سی اور پنکھوں کی وجہ سے مسجد میں خاصی ٹھنڈک تھی۔ مغرب پڑھ کے واپسی کی۔

نمازِ عشاء کے بعد کھانے کی تقسیم کا وحشت ناک منظر، تقسیم کرنے والوں کی برداشت اور حوصلہ البتہ داد کے لائق تھا۔ کھانے اور چائے کے حصول کے لیے بے تابی اور رنگ و دو دیکھ کر لگتا تھا کہ شاید یہ کھانا بھی مناسک حج ہی کا کوئی اہم رکن ہے۔ ایک صاحب نے معلم کے نمائندوں سے کھانے کے معیار پر باآواز بلند احتجاج کیا اور ناقص انتظامات پر گرما گرم مکالمہ بہت دیر جاری رکھا۔ بعد کے دنوں میں وہ اسی مکتب کے ایک اور خیمہ کے مطبخ سے بوفے کھانا لیتے نظر آئے۔ شاید معلم کے نمائندوں نے انہیں یہ سہولت دے کر ان کی شکایت اور احتجاج سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

دوسرا دن (۹ ذی الحج) عرفات روانگی، وقوف عرفات اور مزدلفہ روانگی

روانگی برائے عرفات: منیٰ سے عرفات روانگی کا مسنون وقت تو بعد از نماز فجر ہے لیکن معلم کے انتظام کے تحت فجر سے پہلے پہنچنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ رات کے کھانے کے وقت اعلان ہوا تھا کہ بسیں رات دس بجے روانہ ہوں گی۔ بعد میں یہ وقت بارہ بجے کر دیا گیا۔ زائرین کو مکتب کے گیٹ تک قطار بنانے کو کہا گیا۔ قطار تو کیا بننا تھی ایک ہجوم مکتب کے گیٹ اور خیموں کے درمیان گزرگاہوں میں جمع ہو گیا۔ ہجوم کا دباؤ گیٹ پر تھا اور منتظمین اسے بند رکھنے پر مصر۔ یہ حالات دیکھ کر خیمے میں جانے میں ہی عافیت دیکھی۔

دو بجے رات پھر اعلان ہوا کہ آخری تین بسیں آنے کو ہیں۔ باقی سب لوگ قطار بنا لیں۔ قطار میں کھڑے کھڑے تین بج گئے۔ منصور گیٹ سے باہر نکل چکے تھے۔ دونوں خواتین بھی

گیٹ کے پاس تھیں۔ حبس اور ہجوم کی وجہ سے میرا حوصلہ تو جواب دے گیا۔ قطار سے نکل کر معلم کے دفتر گیا۔ معلم کے نمائندے سے پوچھا کہ اچھے بھلے انا ؤنسمنٹ سسٹم کے ہوتے ہوئے اس بد نظمی کا کیا جواز ہے؟ خیموں میں لوگوں کی تعداد اور بسوں کی گنجائش معلوم ہوتے ہوئے اتنا حساب تو لگایا جا سکتا ہے کہ تین بسوں میں کتنے خیموں کے لوگ سما سکیں گے۔ صرف ان کی انا ؤنسمنٹ دے کر اس بے وجہ اذیت سے تو بچا جا سکتا تھا۔ کچھ بے معنی جواز دیتے ہوئے اس نے مجھے خیمے میں جا کر آرام کرنے کو کہا اور بس کے آنے پر اطلاع دینے کی حامی بھی بھری۔

پونے چار بجے اطلاع دی گئی کہ آخری بس پہنچنے والی ہے۔ گیٹ تک گیا تو چند لوگ باقی تھے۔ باقی سب بشمول منصور اور خواتین، جا چکے تھے۔ بچ جانے والے زائرین کی خواہش تھی کہ فجر منٰی میں پڑھنے کی گنجائش بن رہی ہے تو اس کا فائدہ اٹھایا جائے وضو بھی کر لیا لیکن چار بج کر دس منٹ پر بس آ گئی اور بس کار کنان ٹریفک کنٹرول کے عملے کو منظور نہ تھا۔ یوں سوا چار بجے عرفات کے لیے روانگی ہوئی۔ شاید ہمارا مکتب جمرات کے کافی قریب تھا اس لیے ہمیں ٹرین کا ٹکٹ نہیں دیا گیا تھا۔

عرفات کا قیام:

پانچ بجے بس نے عرفات پہنچا دیا۔ معلم کا ایک کارندہ خیمہ کی سمت بتا کر کھسکنا چاہ رہا تھا لیکن زائرین نے اسے گھیر گھار کر خیمہ تک چلنے پر رضا مند کر ہی لیا۔ یہ بہتر رہا ورنہ مکتب اور پھر اس میں خیمہ کی تلاش کرنا آسان نہ تھا۔ بھاگم بھاگ فجر پڑھی کہ وقت ختم ہونے کو تھا۔ خیمے میں پہنچا تو پھر وہی منٰی والا منظر نظر آیا۔ یہ خیمہ منٰی والے سے کافی بڑا تھا۔ گدے البتہ اسی سائز کے تھے۔ تمام گدوں پر زائرین قابض ہو چکے تھے اور رات کی نیند بمع سفر کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے لیٹ چکے تھے۔ کچھ نے دو کی جگہ بھی دبا رکھی تھی۔

ہال کا بار بار جائزہ لینے پر ایک کونے میں دو گدے اوپر نیچے رکھے نظر آئے ساتھ والے پر

سامان پڑا ہوا تھا۔ آس پاس والوں نے بیگانگی سے دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔ اندازہ یہی تھا کہ اے سی سے دور ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ جگہ پسند نہیں آئی ہوگی۔ اسی کو اپنا مسکن بنایا۔ کچھ دیر میں راشد مجید بھی پہنچ گئے۔ یہ ہم سے پہلے والی بسوں میں چلے تھے لیکن ڈرائیور کی راستوں سے ناواقفیت کی وجہ سے اب پہنچ پائے۔ ایک خالی جگہ ان کو دی جس پر لیٹتے ہی وہ نیند کی آغوش میں تھے۔ خیمے میں ناشتے سے لے کر شام تک وقفے وقفے سے کچھ نہ کچھ تقسیم ہوتا ہی رہا۔ جوس، پھل، لسی، چائے، لاکھوں خرچ کر کے آنے والے زائرین جھپٹ جھپٹ کر یہ مالِ غنیمت وصول کر رہے تھے۔ آدمی چو پیر شد، حرص جواں می گردد (آدمی جوں جوں بوڑھا ہوتا ہے حرص جوان ہوتی جاتی ہے) کی عملی تفسیر جابجا نظر آ رہی تھی۔ ایک ایک کی بجائے دو دو، تین تین آئٹم اٹھائے جا رہے تھے۔ مکتب والوں نے بھی ''مست رکھو ذکرِ فکرِ صبح گاہی میں اسے'' پر خوب عمل کیا۔

خطبہ حج اور بارش: اگرچہ ظہر اور عصر خیمہ میں ادا کرنے کی گنجائش تھی مگر منصور، گل اور علی محمد کا ارادہ مصمم مسجد نمرہ جانے کا دیکھ کر میں نے بھی ہمت کر ہی لی۔ راشد مجید کو بھی جگا کر ساتھ لے لیا۔ مسجد نمرہ ہمارے مکتب سے تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر کے فاصلے پر تھی۔ موسم شدید گرم، مسجد میں جگہ ملنا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ ساتھ کے میدان میں جہاں کچھ درخت تھے، جابجا لوگ سایہ کا انتظام کر کے بیٹھے تھے۔ ہم نے بھی چٹائیاں بچھا کے چھتریوں کو سائبان بنا لیا۔ ابھی ساڑھے دس بجے تھے۔ خطبہ ساڑھے بارہ بجے شروع ہونا تھا۔ دو گھنٹے کا انتظار اس ماحول اور ایسے موسم میں خاصا صبر آزما تھا۔

خطبہ حج کے دوران خیالات کی رو میں ایک وسوسہ سا بڑی شدت سے ابھرا کہ اس خطہ زمین میں بے یقینیوں کے لیے بے شمار نشانیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ کیا اس نظم و ضبط، اصول اور ضابطوں سے محروم لوگوں کے ہجوم کی اس ساری مشقت کی قبولیت کی بھی کوئی نشانی ملنے کی کوئی صورت ہے؟ میں نے پاس بیٹھے علی محمد سے کہا کہ اس شدید گرم موسم میں، بارش سے بہتر کیا نشانی ہو سکتی ہے اس بات کی کہ تمام تر خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود یہ اجتماع

''**اکثر هم لا یعقلون** ''بھی قبولیت کے کسی درجے پر ہے۔علی محمد سن کر مسکرا دیے، خود بھی اس احمقانہ سی خواہش کے اظہار پر حیرت سی ہوئی۔

نمازوں کے بعد ہمراہیوں نے خاصی طویل دعائیں کھڑے ہو کر مانگیں، گل محمد پہ رقت کی کیفیت قابل رشک تھی۔میری دعا تو بہت مختصر سی تھی صحت، عافیت اور خاتمہ بالخیر اپنے اور احباب و متعلقین کے لیے۔خیموں کی طرف واپسی اختیار کی۔دھوپ کی شدت کی وجہ سے چھتریوں کا سایہ بھی غنیمت لگ رہا تھا۔یوم عرفہ فی سبیل اللہ لٹانے والوں کا دن ہے۔حکومتی سطح پہ بھی جگہ جگہ کنٹینرز اشیائے خورد و نوش کے، زائرین کی تواضع کے لیے موجود تھے۔البتہ کھا پی کر بوتلیں، خالی ڈبے پھینک پھینک کر ''ضیوف الرحمن'' نے سڑکوں کو کچرا گھر میں تبدیل کر دیا تھا۔ صفائی کو نصف ایمان ماننے والوں کو اپنے مقدس ترین مقامات صاف رکھنے کی بھی توفیق نہیں۔

تھوڑا دور جانے کے بعد ہجوم میں، میں اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ گیا۔کچھ دیر ایک موڑ پہ انتظار کیا۔اتنی فکر اس لیے بھی نہیں تھی کہ مکتب کا راستہ سیدھا سا تھا۔آخر اکیلا ہی چل پڑا اور مکتب تک پہنچ گیا۔مکتب میں خیمے کی تلاش میں چلتے چلتے مکتب سے باہر نکل گیا۔جبل رحمت والے چوک پہ جا کر سمت درست کر کے پھر مکتب کی طرف رخ کیا۔آسمان کی طرف نگاہ کی تو ایک عجیب منظر، ایک طرف سے گھٹا سی اٹھ کے آئی اور تھوڑی دیر میں ٹھنڈی ہوا، بوندا باندی شروع ہو گئی گرج چمک البتہ دل دہلا دینے والی تھی۔بارش کی خواہش اتنی جلدی پوری ہو جانے پہ شکر اور سر شاری کی کیفیت طاری ہونا قدرتی امر تھا۔سر زمین مقدس میں آئے پچیس دن ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں بارش تو کیا بادل بھی نظر نہیں آیا تھا۔

تیز ہوا سے چھتری تو ٹوٹ گئی، احرام بھی بھیگ گیا۔پریشانی شروع تب ہوئی جب مکتب نمبر 11 کہیں نظر نہ آیا۔حالانکہ مسجد سے واپسی پر مکتب آسانی سے مل ہی گیا تھا۔مکتب نمبر 8 بھی موجود، ساتھ مکتب نمبر 10 بھی مگر گیارہ نمبر غائب، رہنمائی کے لیے جا بجا ٹیمیں دو، تین مقامات پر پوچھا وہ بھی بتانے سے قاصر، کئی بار جبل رحمت والے چوک پہ جا کر مکتب کا محل وقوع

یاد کر کے چلنا شروع کرتا، مکتب نمبر بھی لگے ہوئے تھے، مکتب نمبر دس والوں سے پوچھا، گیارہ کا پتہ نہ ملا، احرام والے سینڈل منیٰ میں چھوڑ آیا تھا۔ ہوائی چپل میں پاؤں بھی جواب دینے لگے، سیدھا سا مسئلہ اور اتنا الجھاؤ، سمجھ آنے لگی کہ یہ تاوان ہے اس نشانی مانگنے والی بات کا۔ چلتے چلتے کوئی شخص تیزی میں مجھ سے ٹکرایا، سڑک پر کیچڑ کی وجہ سے پاؤں بھی پھسل گیا اور میں سڑک پر دھڑام سے چاروں شانے چت جا پڑا۔ سیکیورٹی والوں نے جلدی سے آ کر اٹھایا، حواس بحال ہوئے تو گھٹنے پر کچھ خراشوں کے علاوہ کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

ناچار منصور کو فون کر کے اپنی جگہ کی نشانی بتا کر آنے کو کہا۔ پتہ چلا کہ وہ سب بھی مکتب کا راستہ بھولے اور کچھ دیر پہلے ہی خیمے میں پہنچے ہیں۔ کافی دیر بعد منصور کا نمبر ملایا تو نمبر بند۔ ایک پاکستانی حاجی سے مکتب نمبر 11 کا پوچھا تو وہ اپنے مکتب کے ایک اہلکار کے پاس لے گیا اور یہ مسئلہ حل کرنے کی پرزور سفارش کی۔ مکتب کے نمائندے کے اعتماد سے محسوس ہوا کہ اب مکتب ملنے میں کوئی دیر نہیں۔ کافی گھما پھرا کے اور دس پندرہ منٹ کی تلاش کے بعد اس نے ایک سمت کو اشارہ کر کے کہا کہ اس سڑک پر چلے جائیں۔ مکتب مل جائے گا۔ خود کسی مصروفیت کا بتا کر رخصت ہوا حیرت کی بات ہے، مکتب کا کارڈ دکھانے کے باوجود کہیں سے رہنمائی نہ ملنا شاید ستاروں کی گردش ہی تھی۔ اب منصور کو جو جگہ بتائی تھی وہ بھی کہیں دور رہ گئی تھی، فون پر رابطہ ہو نہیں رہا تھا۔ چلنے کی ہمت بھی ختم ہو رہی تھی۔ نوبت دعاؤں تک پہنچی۔ سوچا کہ پیدل مزدلفہ چلا جاؤں گا اور وہاں ہمراہیوں سے کسی مقام پر جا ملوں گا۔ اتنے میں اپنے نام کی پکار سنی، یہ راشد مجید کی آواز تھی۔ اتنے رش میں، طے شدہ مقام سے کہیں دور راشد اور منصور کا مل جانا، دو تین گھنٹوں کی اذیت اور پریشانی کا خاتمہ محسوس ہوا۔ خیمے میں پہنچے تو بارش اور طوفان سے نظام درہم برہم، اے سی بند، گدے بھیگے ہوئے۔ لوگ خیموں کے باہر دعاؤں میں مشغول تھے۔ مغرب کے وقت وقوف عرفات اختتام کو پہنچا۔ اگر انٹرنیٹ پیکج لے لیا ہوتا تو مندرجہ بالا واقعہ شاید وقوع پذیر نہ ہی ہوتا۔

مزدلفہ روانگی: مغرب کے بعد مزدلفہ روانگی کے لیے بسوں کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ مکتب کے کسی اہلکار نے آ کے کوئی رابطہ کیا نہ بسوں کا کچھ اتا پتہ معلوم ہو رہا تھا۔ کسی اہل خیمہ کے پاس معلم یا اس کے کسی نمائندے کا فون نمبر بھی نہیں تھا۔ چند ایک کو یقین تھا کہ بسیں آئیں گی لیکن کب؟ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔

نو بجے تک بے یقینی کی فضا قائم رہی۔ اس دوران کچھ لوگ پیدل روانہ ہو گئے۔ اڑتی اڑتی خبر سنی کہ بسیں موجود ہیں پر ٹریفک کی وجہ سے ذرا پیچھے رکی ہوئی ہیں۔ راشد مجید اور ان کی اہلیہ کو اس خبر کی تصدیق کے لیے بھیجا ان کا کوئی فون نہ آیا تو ہم چاروں (میں، منصور اور خواتین) بھی بسوں کی تلاش میں نکلے۔ ایک پرائیویٹ بس والا 100 ریال فی سواری پر مزدلفہ لے جانے پر آمادہ تھا۔ 75 ریال طے کر کے بیٹھ گئے۔ اے سی، شیشے بند اور چلنا غیر یقینی، آخر بس سے اتر کے پیدل مزدلفہ جانے پر اتفاق ہو گیا۔ عرفات سے مزدلفہ بلکہ منیٰ تک پیدل چلنے والوں کے لیے خوب کشادہ سڑک بنائی گئی ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دونوں طرف واش روم اور وضو کا انتظام، ہوائی چپل کی وجہ سے پاؤں زخمی نہ ہو چکے ہوتے اور مکتب کی تلاش میں ہونے والی تھکاوٹ نہ ہوتی تو عرفات سے مزدلفہ پیدل آنا ایک اچھی آؤٹنگ شمار ہوتا۔ انسانوں کا ایک سمندر اس سڑک پر رواں دواں تھا۔ ساڑھے گیارہ تک مزدلفہ پہنچے۔ میرا خیال تھا کہ گنجان علاقے سے ذرا پہلے یا بعد والے علاقے میں قیام کیا جائے۔ گروپ کے باقی افراد کو حدود مزدلفہ کے بارے میں پریشانی تھی۔ مسجد مشعر الحرام کے قرب و جوار میں دریاں بچھا کر نمازیں پڑھیں۔ چلنے کی ہمت ہوتی تو کسی پہاڑی پر قیام کیا جا سکتا تھا۔ جس کو جہاں جگہ نظر آئی وہیں لیٹ گیا حتیٰ کہ سڑک اور فٹ پاتھ زائرین سے اٹ گئے۔ صبح گروپ ممبران کو تین بجے جگا دیا کہ لوگوں کے جاگنے سے پہلے جتنا فاصلہ طے کیا جا سکے بہتر ہوگا۔ (جاری ہے)

انسانیت کادرد

(عبدالرشید ساھی)

ے یہ عالم ملکوتی ، یہ علم لاہوتی   حرم کے درد کادرماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ے یہ عبادتیں یہ ریاضتیں یہ ذکر نیم شبی   تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں انسان زمین و آسمان کا علم حاصل کر لے اس کو زمین و آسمان کی وسعتوں پر دسترس حاصل ہو جائے اس کی رسائی فرشتوں تک ہو جائے جب تک اس کے اندر انسانیت کا درد پیدا نہیں ہو گا سب علم بے کار ہیں ایسے علوم سے کچھ حاصل نہیں اور نہ ہی ان کا کسی قسم کا فائدہ ہے۔اس طرح بے شک انسان عابد اور زاہد ہو راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ ھو کا ذکر کرتا ہو، تہجد گزار ہو مگر اس کی خودی بیدار نہ ہو وہ اپنی خودی کی نگہبانی نہ کرتا ہو تو یہ ساری کی ساری عبادات محض دکھاوا اور نفس پرستی میں شمار ہوں گی ۔قبلہ مرشد محمد صدیق ڈار صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ’’تمام عبادات کا ماحاصل یہ ہے کہ انسان اندر سے خوبصورت ہو جائے‘‘ حدیث مبارکہ میں بھی فرمایا گیا ہے کہ جو عبادات انسان کو (By Character) درست نہ کر سکیں وہ قیامت کے روز منہ پر ماری جائیں گی آواز آئے گی لے جاؤ اپنی نمازیں روزے حج صدقہ و خیرات میرے پاس ان کا کوئی صلہ نہیں ۔آج کے دور میں مساجد نمازیوں سے بھری ہوتی ہیں ۔حفاظ کرام کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔عمرہ اور حج کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے مگر جرائم کا گراف دن بدن بڑھ رہا ہے ۔معاشرہ کے چلن دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ دوائی مریض کو شفا نہیں بخش رہی بلکہ Reaction ہو رہا ہے تھانوں اور عدالتوں میں عوام کا ہجوم بتا رہا ہے کہ جرائم کی شرح بہت زیادہ ہے معاشرہ کا سکون تباہ ہوتا جا رہا ہے انسان ہی انسان کو ڈسنے کے لیے کافی ہے ۔کرپشن کی انتہا ہو چکی ہے بددیانتی اس حد تک جا چکی ہے کہ مویشیوں کا ونڈا تک خالص دستیاب نہ ہے

ملاوٹ کی بھر مار ہے۔ہوس پرستی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ بھائی ہی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ ذخیرہ اندوزی اپنے عروج پر ہے۔حدیث مبارکہ ہے کہ:

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو۔''

مزید فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے اچھا وہ ہے جس سے مخلوق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو اور قیامت والے دن مومن کے نامہ اعمال میں سب سے وزنی چیز خوش خلقی ہوگی''۔ پھر فرمایا: ''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو''۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

تخلیق آدم کے وقت ہی یہ فیصلہ ہو گیا کہ احترام آدمیت کرنے والے حزب الرحمٰن اور انسانیت کا احترام نہ کرنے والے حزب الشیطان کا گروہ ہیں۔آج بھی دو ہی گروہ ہیں ایک وہ گروہ جو کہ انسانیت کا احترام کرتا ہے انسانیت کی فلاح اور اصلاح کی کاوش کرتا ہے انسانیت کی بہتری اور بھلائی کے لیے کام کرتا ہے وہ گروہ رحمٰن کا گروہ ہے اور دوسری طرف جو انسانیت کی تذلیل کر رہا ہے انسانوں کو جینے نہیں دیتا،انسان کو دکھ دیتا ہے،انسانوں کے ساتھ مکاری،عیاری اور دغابازی کر رہا ہے۔وہ شیطان کا گروہ ہے۔اسی طرح یہ دو گروہ ہی قیامت تک رہیں گے۔

اس خاک کے پتلے کو یقین کے ساتھ دیکھ کہ ہفت آسمان کی گردش کا مرکز ہی انسان ہے انسان احسن تقویم ہے۔اشرف المخلوقات ہے۔زمین میں خدا کا نائب ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسجود ملائکہ ہے،خلیفۃ اللہ کو زیب نہیں دیتا کہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے گلے سڑے پھل کھاتا پھرے گند سے ہاتھ بھرے،ناحق انسانوں کو پریشان کرے۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

تیرا جوھر ہے نوری پاک ہے تو فروغ دیدہ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں! فرشتہ و حور کہ شاہین شہہ لولاک ہے تو

انسان کو ہر وقت اپنے مقام سے آگاہ رہنا چاہیے اور ایسے کاموں کے کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے جن کے کرنے سے انسان خود اپنی نظروں سے گر جائے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

؎ کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ روزِ محشر حقوق العباد بندے ہی بندوں کو معاف کریں گے۔ ربّ کبریا انسانوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ علامہ اقبالؒ انسانوں کے کردار اور انسانی شیوہ پر بڑے شاقی ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

یہی انسان ہے سلطان بحر و بر کا کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا

اللہ تعالیٰ یہی ہے تیرا وہ نائب جس کو تو نے زمین و آسمان کی وسعتوں کو تسخیر کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اس اندھے کا قصہ کیا سناؤں اس نے نہ تو خود کو پہچانا ہے نہ ہی اس نے تیری صفات اور عظمت کو پہچانا اور نہ ہی تیری کائناتوں سے اس نے واقفیت حاصل کی ہے۔ کیا یہی تیرے ہنر کا شاہکار ہے تیرے کارخانہ قدرت میں یہی سب سے اشرف اور اعلیٰ مقام کا حامل ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

؎ وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسم شہبازی

وہ مسلمان قوم جس نے انسانیت کے وقار اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی اولاد، مال و دولت اور جانیں راہِ خدا میں قربان کر دیں۔ آج پورے عالم میں رسوا ہو رہی ہے۔ دنیا میں جہاں بھی کوئی پٹ رہا ہے تو مسلمان پٹ رہا ہے۔ اس لیے کہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ سے تعلق نہیں رہا۔ قدرت کاملہ نے بھی ہماری مدد کرنے سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ تاریخ اسلام کے اوراق پلٹ کر دیکھو کہ چند مظلوم عورتوں کی پکار پر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کی قیادت میں دیبل پر فوج کشی کروا دی۔ آج لاکھوں مظلوم کشمیری ہمیں مدد کے لیے پکار رہے ہیں مگر ہمارے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

دولت کی دوڑ، طمع اور خود غرضی نے ہمیں بے حس کر دیا ہے۔ضمیر نام کی کوئی چیز بھی ہمارے اندر نہیں ہے۔حکمران طبقہ بھی لوٹ کھسوٹ کر رہا ہے۔انصاف نام کی معاشرہ میں جھلک تک نظر نہیں آتی۔آج انسانیت کا درد مسلمانوں کی نسبت غیر مسلموں میں زیادہ نظر آتا ہے غیر مسلم بعض تنظیمیں بڑھ چڑھ کر انسانی خدمت کا فریضہ انجام دے رہی ہیں لیکن اسلامی دنیا میں چند حکمرانوں کو چھوڑ کر باقی محمد شاہ رنگیلا کا کردار ادا کر رہے ہیں۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

اللہ تعالٰی دنیا کی امامت ان قوموں کو عطا کرتے ہیں جو انسانیت کی خدمت کرتی ہیں کیوں کہ انسان ہی خدا کا خلیفہ اور نائب ہے اور کائنات کا مہمان خصوصی ہے اور خدا آج بھی اس کی رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

تکریم انسانیت

(پروفیسر آسیہ رشید)

یہ حقیقت ہے کہ تاریخ عالم میں اگر کوئی ایسی ہستی تلاش کی جائے جس کی پوری زندگی معاشرہ کے ہر فرد کیلئے مشعل راہ ہو، جو عدل و مساوات، امن و سلامتی اور محبت و الفت کا پیکر ہو اور جس کی حیات طیبہ کو ہر شعبۂ زندگی کیلئے بطور رہنما پیش کیا جائے تو ہزار ہا برس کی طویل انسانی تاریخ میں صرف ایک ہی ہستی ملے گی جسے دنیا، ہادی عالم، محسن انسانیت رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے جانتی ہے، جس کی نظیر نہ تو اس سے پہلے کوئی آئی اور نہ آئندہ یہ اوصاف حمیدہ کسی انسانی وجود کو نصیب ہو سکیں گے۔ سرورِ کائنات رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ پوری انسانیت کیلئے مکمل اُسوۂ حسنہ، واضح نمونۂ عمل اور پرفیکٹ آئیڈیل ہے۔

آپ ﷺ کا اُسوہ معاشرہ کے کسی مخصوص فرد، یا مخصوص گروہ یا قوم کیلئے محدود نہیں بلکہ یہ گراں مایہ تحفہ پوری انسانیت کیلئے عطاء کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ ہر ایک خوبی سے آراستہ، جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف، سکینہ ان کا لباس، نکوئی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام عدل ان کی سیرت ہے۔ ان کی شریعت سراپا راستی، ان کی ملت اسلام اور ہدایت ان کی رہنما ہے آپ ﷺ تاریخ عالم کی وہ ہستی ہیں جنہوں نے سسکتے اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو شرف انسانیت بخشا اور انہیں جنگ و جدل، جہالت و عدوان اور فساد انگیزی سے نکال کر اکرام کا تصور دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے سماج کی ہر سطح پر انسانوں کو امن و محبت اور خیر خواہی کی تعلیم دی ہے، حتیٰ کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے خیر خواہی کو ہی دین قرار دیا ہے۔

دنیا کے ہر معاشرے میں تکریم انسانیت کا تصور پایا جاتا ہے اور کسی بھی معاشرے یا قوم کی بقاء تکریم انسان ہی کی بدولت ممکن ہوتی ہے۔ انسانی جان کی تکریم اور اس کے مال و جان کی حفاظت ہر قوم و ملک کی ذمہ داری ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی اسے دین اسلام میں لازمی

قرار دیا ہے۔تکریم احترام کے مترادف کے طور پر مستعمل ہوتا ہے،تکریم کے معنی ہیں بزرگی دینا ،عزت دینا یا تعظیم کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو لطف و کرم سے نواز کر بھیجا ہے کہ وہ اس کے بندوں سے خیر خواہی کرے خود پر بھی ظلم نہ کرے۔اگر وہ اس کے برعکس کرتا ہے تو فساد برپا ہوتا ہے جو وحشی جانوروں کی سرشت وصفت ہے جو انسان جیسی عقل وشعور نہیں رکھتے۔ اللہ نے انسان کو جو عزت وشرف عطاء کر کے بھیجا اس کا ذکر قرآن کریم میں واضح طور پر ملتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیم "بے شک ہم نے انسان کو اچھی صورت پر بنایا۔"

جسم انسانی کا اعتدال اور اس میں اعضاء کی تقویم جس حسن خوبی کے ساتھ کی گئی وہ اس کے مصوّر اور صانع کی عظمت وکمال کی بے مثال دلیل ہے۔اس کے اعزاز و اکرام کی بابت تو قرآن حکیم نے صراحتاً ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیٓ آدَمَ "اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت عطاء کی۔"

بحثییت انسان ہر شخص کی تکریم لازمی ہے اور وہ قابل احترام ہے۔سماج کے ہر فرد کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وقار کی حفاظت کرے اور اس کی اس حیثیت کو نقصان نہ پہنچائے۔اسلام کے تصورِ تکریم میں محض عزت دینا نہیں بلکہ دوسروں کی جان و مال کی حرمت تسلیم کرنا، حتیٰ کہ بے روح انسانی میت کا بھی احترام کرنا اس مفہوم میں شامل ہے۔اس اکرام کی بنیادی وجہ وہ نفخ روح بھی ہے جو تخلیق انسانی کے وقت اللہ تعالیٰ نے انسان میں پھونکی۔اسی نفخ روح نے انسان کو حیوان ناطق کے درجے سے اُٹھا کر شرفِ انسانیت بخشا ہے۔

تکریم انسانیت کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ آپ ﷺ اپنے مخالفین یہود میں سے کسی کا انتقال ہونے پر اس کی میت کیلئے بھی کھڑے ہوجاتے تھے۔حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:"ہمارے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو گئے۔ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوجایا کرو۔"

نبی مکرمﷺ کی تعلیمات کا محور تکریم انسانیت تھا۔چونکہ اسلامی شریعت میں انسانیت پہلے اور مذہب کی تکریم بعد میں ہے ۔آج ہم جتنا سیرت طیبہ کی کرنوں سے مستفیض ہو نگے ، معاشرے کی ظلمتیں اتنی ہی کم ہوں گی ۔پیغمبر انسانیت دنیا کی وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے جنگ وجدال کے گرم بازار سے اس وقت اقوام کو شیر وشکر کردیا ان میں معاہدہ مواخات کروایا ان کے درمیان میثاق مدینہ کروایا اس معاہدوں کی مخاطب اقوام کا تعلق کسی ایک مذہب سے نہ تھا بلکہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، آپﷺ نے سب کو تکریم بخشی ۔

اسلام کے اس روشن پہلو کو اُجاگر کروایا جائے کہ انسانیت کی عزت محبت اُنسیت لطف وکرم کے معاملہ کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے ۔آپﷺ نے تبلیغی مشن میں عقل وحکمت وموعظت حسنہ ،مجادلہ احسن ،ذہنی انقلاب ،قلبی تبدیلی ،دلسوزی،عدم اکراہ اور نرم روّی اور برداشت جیسے اصولوں کو سامنے رکھا۔

اسلام تو میانہ روّی اور رواداری کا درس دیتا ہے اور دوسرے مذاہب کا احترام کرنے کی تلقین کرتا ہے،اگر کوئی زیادتی کرے تو معاف کر دینے کو افضل قرار دیا گیا ہے ۔نبی کریمﷺ کی تعلیمات میں کسی انسان کی بے عزتی نہیں بلکہ آپﷺ نے تو انسان ہونے پر تکریم اور عزت بخشی چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔

انکسار و تواضع

(طالب الھاشمی)

انکسار اور تواضع نام ہے: ''فروتنی کا' عاجزی کا، سادگی کا، امارت پسندی سے اجتناب کا' دوسروں پر اپنی بڑائی نہ جتانے کا، غرور اور فخر سے احتراز کا، غریبوں اور مسکینوں کو حقیر نہ جاننے کا اور مہمانوں کی خوشدلی سے خدمت کرنے کا۔ یہ دونوں قریب قریب ہم معنی الفاظ ہیں اور اخلاق حسنہ کی اہم شاخوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ دینی و دنیوی ہر اعتبار سے افضل الخلائق تھے، مگر انکسار و تواضع میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ ﷺ کے انکسار اور تواضع سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس انکسار و تواضع کی وجہ زبوں حالی تھی۔ حضور ﷺ ایک وسیع سلطنت کے فرمانروا اور لاکھوں قلوب کے مرجع عقیدت تھے۔ آپ ﷺ کے ایک اشارے پر ہزاروں لوگ اپنی جانیں قربان کر سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے انکسار و تواضع کی کیفیت یہ تھی کہ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہیں، ہر ایک کو سلام کرنے میں پہل کر رہے ہیں' اپنی تعظیم کے لیے لوگوں کو اُٹھنے سے منع فرما رہے ہیں' پیوند لگے کپڑے زیب تن کرنے میں عار محسوس نہیں فرماتے، گھر کے کام کاج میں اہل خانہ کا ہاتھ بٹا رہے ہیں' گھر میں جھاڑو دے لیتے ہیں' دودھ دوہ لیتے ہیں' بازار سے سودا سلف خرید لاتے ہیں' جوتا ٹوٹ جاتا ہے تو اس کو خود گانٹھ لیتے ہیں' کسی مجمع میں تشریف لے جاتے ہیں' تو جہاں جگہ مل جاتی ہے بیٹھ جاتے ہیں' کوئی دست بوسی کرنا چاہتا ہے تو ہاتھ پیچھے کھینچ لیتے ہیں۔ چلتے وقت نظریں ہمیشہ نیچی رکھتے ہیں' کوئی تعریف کرتا ہے تو فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، مجھے حد سے نہ بڑھاؤ۔

غرض سیرت طیبہ کے جس پہلو پر نظر ڈالیں وہ نور علیٰ نور دکھائی دیتا ہے۔ آپ ﷺ کے انکسار و تواضع کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

☆...... ایک دفعہ ایک شخص آنحضورﷺ سے ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوا، لیکن رعبِ نبوت سے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ تھر تھر کانپتا جا تا تھا اور منہ سے آواز نکلتی تھی حضورﷺ نے اس پر شفقت بھری نظر ڈالی اور نہایت ملائمت سے فرمایا:

گھبراؤ نہیں! میں بادشاہ نہیں ہوں، قریش کی ایک (غریب) عورت کا بیٹا ہوں' جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔

☆...... ایک صاحب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور دورانِ گفتگو ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے: ''جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں''۔ حضورﷺ نے فوراً انہیں ٹوک دیا اور فرمایا: تم نے مجھے اللہ کا شریک اور ہمسر ٹھہرا دیا، صرف یہ کہو کہ جو اللہ (تنہا) چاہے۔

☆...... ایک دفعہ دعوتِ طعام کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آ گئے۔ حضورﷺ اکڑوں بیٹھ گئے تا کہ جگہ نکل آئے۔ ایک بدو بھی مجلس میں شریک تھا۔ اس کو حضورﷺ کے اس طرح بیٹھنے کا طریقہ بہت عجیب معلوم ہوا اور اس نے کہا: ''اے محمد (ﷺ) بیٹھنے کا یہ کیا طریقہ ہے؟'' آپﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے صاحبِ اخلاق بندہ بنایا ہے' سرکش اور متکبر نہیں بنایا۔

☆...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ ایک چٹائی پر سوئے پھر اُٹھے تو آپﷺ کے پہلو میں اس چٹائی کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اجازت ہو تو آپ کے لیے نرم بچھونا تیار کریں۔ آپﷺ نے فرمایا: میرا دنیا کے آرام و آسائش سے کیا واسطہ' میں تو دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو ذرا کسی درخت کے سایہ میں ٹھہر گیا ہو پھر اسے چھوڑ کر چل کھڑا ہو۔

☆...... حضرت ابواُمامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم (تعظیماً) آپﷺ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپﷺ نے فرمایا: ''جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' اس طرح تم نہ کھڑے ہوا کرو''۔ پھر فرمایا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اسی طرح کھاتا ہوں جیسے اور لوگ (اللہ کے بندے)

کھاتے ہیں اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جیسے اور لوگ (اللہ کے بندے) بیٹھتے ہیں۔

☆...... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر (ازراہِ تعظیم) اس لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور ﷺ کو یہ بات پسند نہ تھی۔

☆...... ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ بازار تشریف لے گئے اور ایک دکاندار سے چار درہم میں ایک پاجامہ خریدا۔ دکاندار آپ ﷺ کو پہچانتا نہیں تھا لیکن جب اس کو بتایا گیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو وہ ازراہِ تعظیم آپ ﷺ کے دستِ مبارک کو چومنے لگا۔ حضور ﷺ نے اپنا دستِ مبارک پیچھے کھینچ لیا اور فرمایا: "یہ عجموں کا دستور ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور سربراہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں (یعنی ان کے ہاتھ چومتے ہیں) میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو تم ہی میں سے اللہ کا ایک بندہ ہوں" (آخری بات آپ ﷺ نے ازراہِ تواضع فرمائی۔)

☆...... عرب میں قبائل کے سردار اور دوسرے سربرآوردہ لوگ گدھے پر سوار ہونے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے لیکن رسول اکرم ﷺ کو بایں ہمہ عظمت و مرتبہ گدھے پر سواری کرنے سے عار نہیں تھی۔ غزوۂ خندق کے بعد حضور ﷺ یہود بنی قریظہ کے محلے کی طرف تشریف لے گئے تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے۔ اس کی لگام کھجور کی چھال سے بنائی گئی تھی اور اس کی پشت پر زین کی جگہ کھجور کی چھال اور پتے تھے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے ایک جاں نثار صحابی حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ (رئیس خزرج) شدید علالت کی وجہ سے صاحبِ فراش ہو گئے۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہو کر ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔

خیبر فتح ہوا تو آپ ﷺ بستی کے اندر اس حالت میں داخل ہوئے کہ ایک ایسے گدھے پر سوار ہوئے جس کی لگام کا کام کھجور کی چھال سے لیا گیا تھا۔ اسی طرح اور بھی کئی موقعوں پر آپ ﷺ نے گدھے پر سواری فرمائی۔

☆...... مکہ معظّمہ سے ہجرت کے بعد رسول اکرم ﷺ نے چند دن قُباء میں قیام فرمایا۔ انہی ایام میں آپ ﷺ نے وہاں مسجدِ قُبا کی تاسیس فرمائی۔ مسجد کی تعمیر میں حضور ﷺ دوسرے لوگوں کے ساتھ خود بھی کام کرتے تھے۔ وزنی پتھر اُٹھاتے وقت کمر مبارک جُھک جاتی تھی لیکن آپ ﷺ بدستور ذوق وشوق سے کام میں مشغول رہتے تھے۔ صحابہ کرام ﷺ (بالخصوص) آپ کے انصاری میزبان منتیں کرتے تھے کہ: یارسول اللہ! آپ آرام فرمائیں ہم سارا کام خود انجام دے لیں گے۔" لیکن حضور ﷺ برابر اُن کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔

☆...... قباء سے حضور ﷺ خاص یثرب شہر کے اندر تشریف لے گئے اور یہ "**مدینة النبی**" بن گیا تو وہاں بھی مسجد کی تعمیر کو آپ ﷺ نے خاص اہمیت دی۔ اس مقدس مسجد یعنی مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی بایں ہمہ مرتبہ وعظمت اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر مزدوروں کی طرح کام کیا۔ دوسروں کی طرح آپ ﷺ بھی اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہؓ بار بار عرض کرتے تھے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ زحمت نہ فرمائیں' اس کام کی تکمیل کے لیے ہم کافی ہیں۔ لیکن حضور اکرم ﷺ اس کام سے دستبردار ہونا منظور نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرام ﷺ اور زور وشور سے یہ مبارک کام کرتے اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر ہوتا۔

"یعنی اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی کام کرتے رہیں تو یہ سخت گمراہی کی حرکت ہوگی"۔

ایک روایت میں ہے کہ جب عمارت کی بنیاد رکھی گئی تو رسول اللہ ﷺ تعمیر کرتے اور صحابہ کرام ﷺ پتھر گارا وغیرہ سامان تعمیر آپ ﷺ کو دیتے جاتے۔ اس وقت لسان رسالت مآب پر یہ الفاظ ہوتے' آخرت کے عیش کے سوا کوئی عیش نہیں! یا الٰہی انصار اور مہاجرین کو بخش دے"۔

☆...... غزوۂ خندق ۵ ہجری کے موقع پر آنحضور ﷺ نے دفاعِ مدینہ کے لیے خندق کھودنے کا فیصلہ کیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ مل کر خود کھدائی کے کام میں حصہ لیا۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق میں نبی ﷺ مٹی اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا بطن مبارک مٹی میں چھپ گیا (یا غبار آلود) ہوگیا تھا۔

☆...... ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کہیں سے چادریں آئیں۔ آپ ﷺ ان کو لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک صحابی حضرت مخرمہؓ کہیں دور بیٹھے تھے۔ کسی نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ چادریں تقسیم فرما رہے ہیں۔ حضرت مخرمہؓ نے اپنے بیٹے مسور کو ساتھ لیا اور آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ چادروں کی تقسیم سے فارغ ہو کر خانہ اقدس کے اندر تشریف لے جا چکے تھے۔ حضرت مخرمہؓ نے بیٹے سے کہا' بیٹا! رسول اللہ ﷺ کو آواز دے کر بلاؤ۔

انہوں نے کہا' کہ ابا جان! میری کیا حیثیت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو آواز دوں۔ حضرت مخرمہؓ نے فرمایا: بیٹے! رسول اللہ ﷺ جبار نہیں ہیں۔ (وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔) والد کی باتوں سے حوصلہ پا کر حضرت مسورؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی۔ آپ ﷺ فوراً باہر تشریف لائے اور نہایت خوشدلی سے ان کو دیبا کی سنہری گھنڈیوں والی ایک قبا عنایت فرمائی۔

☆...... شروع شروع میں (عرب) لوگوں کو مسجد کے تقدس اور احترام کا اندازہ نہیں تھا' وہ بلا تکلف مسجد کی دیواروں یا فرش پر تھوک دیتے تھے۔ آنحضور ﷺ کو ان کی یہ حرکت سخت ناپسند تھی آپ ﷺ تھوک وغیرہ کے دھبوں کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ ڈالا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے تو دیواروں پر جا بجا تھوک کے دھبے دیکھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی۔ کسی دوسرے کو حکم دینے کے بجائے آپ ﷺ نے اس ٹہنی سے تمام دھبے کھرچ کھرچ کر مٹا دیے اور پھر لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ مسجد میں اس طرح تھوکنے سے گریز کریں۔

☆...... آنحضور ﷺ کے انکسار و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ اپنے بارے میں جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صاحب بدیں الفاظ بارگاہ رسالت میں عرض پیرا ہوئے "اے ہمارے آقا! اور ہمارے آقا کے فرزند! اے ہم میں سب سے بہتر! اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند! آپ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! پرہیز گاری اختیار کرو شیطان تمہیں گمراہ نہ کر دے میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں' اللہ کا بندہ اور اس کا رسول' مجھ کو اللہ نے جو مرتبہ بخشا ہے میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔"

نیت، اخلاص اور صدق

(امام غزالیؒ)

ہر چیز کی ایک روح ہوتی ہے۔عمل کی روح نیت ہے، ہر عمل بغیر صحیح نیت کے ایک مشقت ہے اور جس طرح دنیا میں ہر چیز کے لیے اس کی اچھائی اور خوبصورتی کا کوئی معیار ہوتا ہے، ایسے ہی نیت کے اچھے اور خوبصورت ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ خالص ہو، ریاء کاری اور نام ونمود کے ارادے سے ملوث نہ ہو۔خلاصہ یہ نکلا کہ ہر عمل سے پہلے نیت ضروری ہے اور نیت میں سچائی اور خلوص ضروری ہے۔ ہم نیت، سچائی اور خلوص تینوں کا بیان پیش کرتے ہیں:

نیت کے بارے میں ایک اصول یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تمہاری صورتوں کو اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔دلوں سے مراد یہی ہے کہ وہاں نیت کس قسم کی ہے۔نیت سے بڑے بڑے کام بگڑ جاتے ہیں۔انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے ان کاموں کو صحیح طور پر انجام دیا ہے اور اس کا نتیجہ بھی صحیح نکلے گا۔ایک شخص لڑتا ہے، اس لڑائی میں وہ سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نیک کام میں مصروف ہوں خدا کے لیے لڑ رہا ہوں، مجھے اس کا انعام ملے گا۔ حالانکہ محض نیت کی خرابی کی وجہ سے اس کی ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے۔یعنی حقیقت میں اس کی یہ لڑائی یا حمیت وغیرت کے لیے ہوتی ہے یا خالص دنیاوی سلطنت اور ریاست وثروت کیلئے یا تعصب کی وجہ سے اور ان تمام صورتوں میں اس کا یہ سمجھنا کہ میرا یہ فعل نیک اور خدا کے لیے ہے قطعی غلط ہے۔اگر کوئی کسی سے قرض لے رہا ہے اور واپس کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو وہ چور ہے۔ ان باتوں سے نیت کی اہمیت اور عمل میں نیت کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

نیت، قصد و ارادہ سب ہم معنی الفاظ ہیں۔یہ سب دل کی ایک حالت کا نام ہے اور یہ حالت علم وعمل کے درمیان میں ہوتی ہے۔علم اس سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ اگر کسی شے کا علم ہی نہ ہو تو اس حالت کا ثمر اور نتیجہ ہے۔ظاہر ہے انسان کا ہر کام اس کی ہر حرکت اور سکون تین چیزوں سے

پورا ہوتا ہے۔علم ''ارادہ''اور''قدرت'' کیونکہ انسان جس چیز کو نہیں جانتا اس کا ارادہ نہیں کرتا لہٰذا علم ضروری ہوا۔اور وہ کام نہیں کرتا جب تک ارادہ نہیں کرتا 'لہٰذا عمل کیلئے ارادہ ضروری ہوا اور ارادہ کہتے ہیں: دِل کا کسی کام کے لیے تیار ہونا۔ایسا کام جو اُس کے خیال میں اس کے اپنے مقصد کے لیے موافق اور مفید ہو۔پھر صرف ارادہ ہی کافی نہیں ہے۔ارادے کے بعد کام پر قدرت کا ہونا بھی ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ اعضاء کو حرکت دے کر کام کر سکے۔اگر قدرت نہ ہو تو محض ارادے کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک اپاہج شخص جس کے ہاتھ پاؤں گل چکے ہوں، لاکھ ارادہ کرے مگر کوئی چیز لے نہیں سکتا۔معلوم ہوا بدن کے اعضاء بغیر قدرت کے حرکت نہیں کر سکتے اور قدرت ارادے کی منتظر رہتی ہے اور ارادہ علم و معرفت کا محتاج ہے۔تو جب علم کے بعد دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ فلاں کام ہمارے لیے مفید اور ہمارے مقصد کے لیے موافق ہے تو ارادہ اُٹھتا ہے اور جب ارادہ ہوتا ہے تو قدرت ارادے کی تابع ہے۔اور اِرادہ علم کے بعد دل میں اعتقاد جم جانے کا محتاج ہے۔چنانچہ ہم نیت کو اعتقاد اور قدرت کے درمیان کی ایک حالت کہہ سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نیت بہر حال ایک مخفی معاملہ ہے اور پوشیدہ چھپ کر کی جانے والی نیکی! ظاہری نیکی سے بڑھ کر ہوتی ہے اس لیے نیت عمل سے بہتر ہے۔دوسرے لوگوں نے کہا کہ ایک طرف عمل بے نیت کا ہو' دوسری طرف نیت بے عمل کی ہو تو ایسی نیت جس کے ساتھ عمل نہ ہو یعنی صرف نیت! اُس عمل سے بہتر ہے جس میں نیت نہ ہو۔اصل بات یہ ہے کہ دل اگر کسی اچھے کام کا ارادہ کرے تو یہی نیت ہے اور تمام ظاہری اعمال کے کرنے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ دِل خیر کے ارادے کا عادی ہو جائے اس لحاظ سے یقیناً نیت افضل شے ہے' کیونکہ صرف اعضا کی حرکت کو تو وہ طاقت نہیں کہا جا سکتا جب تک اُس حرکت سے خیر کا ارادہ بھی نہ ہو یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نیک کام کا ارادہ کیا اور کسی وجہ سے کام نہ کر سکا' عمل نہ ہو سکا، تب بھی وہ شخص عمل کرنے والوں میں شمار ہوگا، کیونکہ ارادہ تو کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ کسی وجہ سے کام نہ کر سکا۔

نیت سے کس قسم کے اعمال پر اثر پڑتا ہے:

ہم مختصراً اعمال کی تین قسم کر کے دیکھیں گے کہ ان پر نیت کا اثر پڑتا ہے یا نہیں ۔
اوّل معاصی: اگر کوئی سمجھے کہ ہم کوئی سا بُرا فعل، بُرا کام کریں اور نیت اچھی رکھیں تو وہ کام حسن نیت کی وجہ سے اچھا ہو جائے گا تو یہ غلطی ہے ۔نیت کی وجہ سے کام کی بُرائی ختم نہیں ہو جاتی ۔ جس چیز میں ذاتی طور پر کوئی شر ہو اس میں نیت کی وجہ سے خیر نہیں آ سکتی۔

اخلاص: دنیا کی ہر چیز میں آمیزش اور ملاوٹ ہوتی رہتی ہے ۔اب اگر کوئی چیز اس آمیزش سے خالی ہوتی ہے تو ظاہر ہے اسی کو خالص کہیں گے ۔افعال سے بھی، جب ملاوٹ اور آمیزش ختم ہوتی ہے تو وہ خالص ہوتے ہیں ۔انسان کو جو قدرت عطا ہوئی ہے وہ کسی نہ کسی سبب سے ٗوجہ سے ٗعمل کی طرف اُٹھتی ہے ۔قدرت کبھی ایک ہی سبب سے عمل کی طرف اُبھارتی ہے ٗ کبھی اس کے لیے دو سبب ہوتے ہیں ۔جب سبب صرف ایک ہی ہو تو اُس وقت جو فعل صادر ہوتا ہے اس کو اخلاص کے ساتھ عمل کہا جائے گا ۔جیسے ایک شخص نے صدقہ دیا اور اُس کی غرض صرف ایک ہے یعنی ریاء یا نام و نمود تو وہ مخلص ہے اس اعتبار سے کہ ریاء تنہا ایک سبب ہے جو صدقے پر اُبھار رہا ہے ۔اس میں کسی اور سبب کی آمیزش نہیں ہے اور جو محض خدا کی خوشنودی کے لیے صدقہ کر رہا ہے وہ بھی مخلص ہے کیونکہ اُس کے سامنے بھی ایک ہی سبب ہے ۔یہ تعریف لغت کے اعتبار سے ہے مگر اصطلاح کے لحاظ سے اخلاص اسی کو کہتے ہیں کہ نیت صرف خدا کے لیے خالص ہو اور کوئی دوسری آمیزش اس میں نہ ہو ۔اخلاص بہت کمیاب دولت ہے ۔ٗبرسوں لوگ علم کی خدمت میں لگے رہتے ہیں یا نیک کاموں میں مصروف رہتے ہیں ٗانھیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ ان کا سارا عمل محض اخلاص نہ ہونے کی بنا پر بیکار ہو رہا ہے ۔ریا کاری اور نام و نمود کی مخفی خواہش ان کے ذہن و دماغ میں پرورش پاتی رہتی ہے ۔واعظ کو دیکھئے! وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس بات کی

خوشی ہے کہ خدا نے ہم سے اُمت کی اصلاح کا کام لیا حالانکہ کوئی دوسرا واعظ اُن سے اچھا وعظ کہتا ہو' لوگ اُس کی طرف متوجہ ہو جائیں تو اُن کو کس قدر بُرا معلوم ہوگا۔ اگر اُن کے وعظ کا مقصد اُمت کی اصلاح تھی تو ان کو دوسرے واعظ کے آجانے سے خوش ہونا چاہیے کہ خدا نے ان کی مشکل آسان کر دی ہے اب تنہا محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ اور مقصد یعنی اُمت کی اصلاح آسانی سے مکمل ہو جائے گی وہ بہانہ کریں گے کہ ہمیں یہ غم ہے کہ اب اصلاح اُمت کا ثواب جو ہمیں ملتا تھا وہ دوسرے کو ملنے لگے گا۔ حالانکہ کوئی شخص ایک کام دین یا مخلوق کی خدمت کا اگر اپنے سے بہتر کسی شخص کے سپرد کر دے تو اس میں زیادہ ثواب ہے۔

صدق:

کم از کم چھ چیزیں ہیں جن میں صدق ہو سکتا ہے۔ قول میں صدق، نیت کا صدق، عزم و ارادے کا صدق، ارادے کے پورا کرنے میں صدق، عمل میں صدق اور معاملات کی تحقیق میں صدق۔

زبان کے صدق کا مطلب یہی ہے کہ گزشتہ اور آئندہ کی خبروں میں صدق ہو۔ وعدے کا پورا کرنا' خلاف وعدہ نہ کرنا' یہ بھی اس میں آتے ہیں۔ ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنی زبان اور اپنے قول کا نگراں رہے۔ ہمیشہ وہ بات کہے جو حقیقت سے متعلق ہے۔ صدق نیت کی بات یہ ہے کہ تمام حرکات و سکنات میں اس کی غرض و غایت خدا کی خوشنودی ہو اور کسی سبب یا وجہ کا اس میں دخل نہ ہو ورنہ صدق نیت باقی نہ رہے گا۔ نیت کی سچائی کے لیے اخلاص ضروری ہے یعنی جو نیت میں سچا ہوگا وہ مخلص بھی ہوگا کیونکہ یہی مفہوم اخلاص کا بھی ہے۔ صدق' عزم و ارادے کا مطلب یہ ہوا کہ انسان سوچتا ہے کہ اگر میرے پاس اتنے پیسے ہوں تو میں غریبوں کی خدمت کروں۔ تو جب یہ سوچے یا کسی نیک کام کرنے کے بارے میں سوچے تو اس میں قطعی لچک یا بہانہ شامل نہ ہو۔ پختہ ارادہ رکھے کہ اگر ایسا ہوا تو ضرور دوسروں کی خدمت اور نیک کام کرے گا۔

اگر سوچ رہا ہے مگر دل میں کچھ بہانہ ہے یا پیسے کی محبت کی وجہ سے یہ عزم کمزور ہے تو عزم کا صدق باقی نہ رہا۔ چوتھا صدق عزم کو پورا کرنے میں ہے۔ عام طور پر لوگ عزم کر لیتے ہیں۔ جیسے وعدہ، کسی سے کسی کام کا کر لیتے ہیں۔ سوچنے میں کرنے میں ہرج ہی کیا ہوتا ہے، موقع ملا تو پورا نہیں کریں گے جب وقت آتا ہے، قدرت حاصل ہوتی ہے تو ڈھیلے پڑ جاتے ہیں یہ بات عزم کی وفا میں صدق کے خلاف ہے۔ اعمال کا صدق یہ ہے کہ ہمت کے ساتھ جو خیر دل میں اُبھری ہے اس کے مطابق ظاہر میں عمل ہو ایسا نہ ہو کہ ظاہری عمل دل کے خیال سے الگ ہو یہ بات ریا کو چھوڑنے سے آتی ہے۔ ریا کار کے ظاہری عمل اور دل کے ارادے میں تضاد و ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔

ایک بزرگ ابوعبید تستریؒ عرفہ کے دن (جس دن حج ہوتا ہے) عصر کے بعد اپنا کھیت جوت رہے تھے ایک صوفی ان کے پاس آئے ان کے کان میں کچھ کہا انھوں نے انکار میں سر ہلا دیا وہ صوفی مستانہ وار جھومتے ہوئے واپس ہو گئے۔ تستریؒ کے ایک ساتھی یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے انھوں نے بڑھ کر معاملہ دریافت کیا تستریؒ نے جواب دیا یہ شخص مجھ سے حج میں چلنے کو کہہ رہا تھا میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں نے حج کی نیت نہیں کی تھی میں نے تو شام تک اس کھیت کو جوت کر ختم کرنے کی نیت کی ہے۔

صحت

(حکیم محمد سعیدؒ)

اپنے دورِ عروج میں قدیم یونان نے انسانی فکروفن، ادب وشعر اور فلسفہ و سائنس میں حیرت انگیز کمالات کا مظاہرہ کیا۔ جہاں تک سائنس کا تعلق ہے اس میں طب سرفہرست تھی اور طب کا باوا آدم بقراط تھا جس نے چوتھی و پانچویں صدی قبل مسیح میں طب کی بنیاد اس نظریے پر رکھی کہ انسان کا جسم ایک اکائی ہے اور اس کی صحت و شفا کا دارومدار پورے انسان کو مدنظر رکھنے پر ہے۔ ''صحت مند جسم میں صحت مند دماغ'' کا معنی خیز مقولہ خواہ کسی کا بھی ہو، لیکن اس میں جو فلسفہ سمویا ہوا ہے وہ درحقیقت بقراط کے نظریہ طبّ کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

حالانکہ عہد جدید کے سائنسی انکشافات نے اس نظریے کی بین تصدیق کی ہے اور نئے زاویوں سے اس پر اس حد تک دل چسپ روشنی ڈالی ہے کہ ذہنی و جسمانی بیماریوں کا تصور اب قبول عام حاصل کر چکا ہے، لیکن جدید مغربی طریقہ علاج عملاً ابھی تک تشخیص کے نظریے پر گامزن ہے۔

اسلام نے ان قدیم و جدید تصورات صحت سے بڑھ کر اور بلندتر ایک انتہائی جامع جہت و ہیئت تہذیب انسانی کو عطا کی ہے۔ اسلامی تصور صحت دراصل اسلام کی فطرت، اس کی بنیادی نوعیت اور اس کے مخصوص کائناتی مزاج کا جزو لاینفک ہے۔ اسے باہر کی کسی فکری کاوش کے نتیجے میں اسلام کا حصہ نہیں بنایا گیا۔ انسانی تجربات و مشاہدات کے پُرتکلف، طویل اور جاں گسل سلسلے نے اس ضرورت کو سامنے نہیں لا کھڑا کیا کہ جسمانی صحت کا پوری احتیاط و پابندی کے ساتھ اس نہج سے لحاظ رکھا جائے جس کے مطابق اس میں ہر غفلت و کوتاہی انسان کی سالمیت کو

ضعف پہنچاتی ہے‘اس کے فروغ کلی میں مانع ہوتی ہے اور اس کی تکمیل میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اس میں صفائی اور طہارت کو نہ صرف اصولاً نصف ایمان قرار دیا گیا ہے‘ بلکہ اگر آپ کے پورے نظام حیات پر نگاہ ڈالیں تو بلا مبالغہ آپ کی زبان سے اعتراف کے یہ الفاظ نکلیں گے کہ یہ تو نظام طہارت و صحت ہے !توحید الٰہی ‘کائنات میں مرتبہ آدم‘ دنیا و آخرت کا تسلسل‘ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی فکری و عملی اطاعت‘حشر میں جواب دہی‘ دنیا میں عبادات‘اکل حلال‘تشکیل غذا‘خدمت انسان اور عدل عمرانی کے عقائد وافکار خود بھی سب پاکیزگی کا مرقع ہیں اور طہارت جسم وروح اور صحت جسم وروح کا سرچشمہ بھی ہیں۔

قلب و جسم کی پاکیزگی اور صحت کو اسلام نے جس طرح اپنے پورے نظام فکر و عمل میں سمودیا ہے‘اس کے حسن و کمال بے مثال کو عاجلانہ اور اندھی مادہ پرستی اگر نہ دیکھ سکے تو اور بات ہے‘ ورنہ انسان نے جب کبھی اس طرف بے لاگ توجہ کی ہے تو اسے یہ تسلیم کرلینا پڑا ہے کہ صحت جسم و جاں کے علاوہ پاکیزگی قلب و ذہن کی اس سے زیادہ خوب صورت اور زیادہ کامل صورت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بہترین مثال ہے۔اس وقت سامان تعیش ناپید تھا‘ظاہری چمک دمک غائب تھی‘ سادگی اور جفاکشی کا عالم تھا‘لیکن روحانی و اخلاقی عظمتوں کے ساتھ ساتھ صحت جسمانی کی حالت یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے یہودی طبیب کو گلہ تھا کہ مسلمان بیمار نہیں پڑتے۔دنیا میں کارہائے نمایاں بیمار لوگوں او رقوموں کے ہاتھوں انجام نہیں پاتے۔بنی اسرائیل کے عمائدین نے اپنے پیغمبر وقت سے استدعا کی تھی کہ ان کے لیے ایک قائد مقرر کردیا جائے جس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے جواب میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قیادت طالوت کو سونپ دی ہے۔وہ ششدر رہ گئے اور کہا کہ اس کے پاس نہ ملک‘نہ مال اور یہ ہمارا قائد!اب پیغمبر وقت کا جواب سنیے:

(نبی نے جواب دیا: اللہ نے تمھارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی و جسمانی ' دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں'')

بنی اسرائیل کے سرداروں کی تشفی کے لیے اگر چہ اتنی صراحت کافی ہونی چاہیے تھی کہ طالوت کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے' تاہم آگے اس انتخاب کی حکمت بھی بیان فرمادی گئی۔ بتایا گیا کہ قیادت کا پیمانہ دولت و ثروت نہیں' بلکہ علمی اور جسمانی صلاحیتوں میں بالاتری ہے۔ اس جواب سے یہ نکتہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ علم و جسم کے صحیح اور صحت مند مرکب میں اولیت جسمانی توانائیوں کو نہیں' دماغی قوتوں کو حاصل ہے۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ جسمانی صحت کو کسی درجے میں بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے یا اس کی معیاری برقراری میں کچھ بھی تغافل و تساہل برتا جا سکتا ہے اگر ایسا ہوا تو سارا مرکب نظامِ صحت درہم برہم ہو کر رہ جائیگا اور پھر علمی' اخلاقی اور روحانی عظمتوں کے حصول کا خواب خزاں رسیدہ پتوں کی طرح منتشر ہو جائے گا۔ رسول اکرم ﷺ کا خواب خزاں رسیدہ پتوں کی طرح منتشر ہو جائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی پیغمبرانہ زندگی کا ہر قول و فعل حکمتوں سے لبریز اور انسان کی صحت کلی کی علامت ہے' جب اجل سامنے تھی تو مسواک طلب فرمائی اور اپنے موتی کے مانند چمکتے دانتوں کو اس وقت بھی صاف کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ان گنت رحمتیں ہوں اس انسان اکمل پر کہ جس کے لبوں پر یاد الٰہی کے الفاظ تھے اور جسمانی صفائی کی احتیاط کا یہ عالم تھا۔

میں اگر آج اس نمونہ طہارت و نفاست کے حوالے سے مسلمانوں کے عالم صحت کا جائزہ لیتا ہوں تو شرم سے میری گردن جھک جاتی ہے۔ دامن بچانے کے لیے یہ عذر پیش کر دیا جاتا ہے کہ:

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

لیکن انسان کے لیے وہی اسوۂ حسنہ نجات وکمال اور صحت مند زندگی کی پر بہار جلوہ طرازیوں کے لیے قابل تقلید ہے۔اسے سامنے رکھ کر آپ مقدور بھر چلیں تو سہی۔پھر آپ اپنی انفرادی اور اجتماعی مساعی کی پوری بساط کے مطابق جتنا بھی آگے بڑھ چکیں گے وہ ہمہ رنگ خیر و برکت کا موجب ہوگا۔اس تعلیم وعمل کی مثال کی موجودگی میں آخر صحت وصفائی کا اس بری طرح ستیاناس کیسے ممکن ہے؟ لگتا ہے کہ جہالت اور عدم صحت کو ہم نے حرز جاں بنا رکھا ہے۔یہ جسمانی اور اخلاقی بیماریاں،یہ گھروں،محلوں اور گلی کوچوں میں،حتیٰ کہ شاہراہوں پر گندگی اور پان کی پیکوں کی فراوانی ' یہ گداگروں کی فوج ' یہ منشیات کے اڈے ' یہ جرائم اور بداخلاق کے ناسور،یہ نفرت انسانی کے نشان،یہ مذہب کے نام پر مزاروں پر ملنے والے مجاور اور نشہ آور بھکاریوں کی بھیڑ،یہ بے پناہ رشوت،یہ لبوں میں ٹیپ،سگریٹ اور تھوک! میں کس کس بیماری کا نام گنواؤں؟ ہمارے ہاں تو بڑے سے بڑے شہر کے ہسپتال بھی صفائی کا ماتم کرتے ہیں۔

یقین کیجیے کہ عدم صحت کا یہ خوف ناک عالم نہ ہماری منزل ہے اور نہ ہمارا مقدر۔ ضرورت یہ ہے کہ پاکستان کا ہر فرد،ہر ادارہ اور حکومت یہ تہیہ کرلے کہ اس صورت حال کو ختم کرنے میں بلاتاخیر اپنی پوری توانائیاں صرف کردیں۔قیام وقرار صحت سے صرف یہی محبت وشیفتگی ہماری صبح نو کی ضامن بن سکتی ہے۔

اجتماعیت کی روح

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

اسلام کا مزاج اور پیغام یہ ہے کہ وہ اجتماعیت ،اتحاد اور اجتماعی رابطہ و جوڑ کو انتشار، تعصب اور باہمی توڑ کے مقابلے میں پسند کرتا ہے، وہ انفرادی فکر کے مقابلے میں اجتماعی فکر پیدا کرنا چاہتا ہے اس میں ذاتی مقاصد کی تکمیل کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

جاہلیت اور اسلام کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ جاہلیت میں قبیلہ بندی کا رواج تھا، ہر بجا و بیجا اور نا جائز میں اپنے خاندان کی تائید اور مدد ضروری امر سمجھا جاتا تھا، مگر اسلام نے قبیلہ بندی کا رجحان ختم کر کے حق پسندی اور عدل کی تعلیم دی، ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا، اور ہر طرح کے ظلم اور نا انصافی کو بہت بڑا جرم قرار دیا، مظلوم کی مدد یہ بتائی کہ اسے بچایا جائے اور ظالم کی مدد یہ بتائی کہ اسے ظلم سے روکا جائے تعصب کو اسلام بہت بڑا گناہ بتاتا ہے، ارشاد نبوی ہے ترجمہ: جو تعصب کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو تعصب سے لڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو تعصب پر مرے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔(ابوداؤد شریف)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ تعصب کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: ”تعصب ظلم پر اپنے بھائی کی مدد کا نام ہے“۔(ابوداؤد)

فرمایا گیا کہ اجتماعیت رحمت ہے اور انتشار عذاب ہے، اجتماعیت میں برکت ہے اور انتشار میں بے برکتی ہے، جماعت کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے، انتشار میں شیطان کی مسرت اور معیت ہوتی ہے، جنت کا حصول اجتماعیت پر موقوف ہے، اسی لئے اسلام میں اجتماعیت کی بے حد اہمیت آئی ہے اور ہر فرد بشر میں اجتماعی روح پیدا کرنے کی مکمل کوشش کی گئی ہے، اور اجتماعی تقاضوں کو انفرادی تقاضوں سے مقدم رکھنے کی بیحد تاکید کی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ:

ترجمہ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہوتا ہے، جس طرح عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصے کی مضبوطی کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی قوت اور سہارا ثابت ہوتا ہے۔(متفق علیہ)

اسلامی تعلیمات واحکام کا تجزیہ بھی یہی بتاتا ہے کہ اجتماعی روح پھونکنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور انفرادی تقاضوں کو پس پشت ڈالنے کی تاکید کی گئی ہے، نماز کے باب میں جماعت کی تاکید، اہمیت، ترکِ جماعت پر سخت وعیدیں، اذان کا اہتمام، مساجد کی اہمیت وتقدس، عیدین کا نظام سب کچھ اس کا واضح ثبوت ہے، ایک نابینا صحابی کو اللہ کے رسول ﷺ نے تنہا نماز پڑھنے اور جماعت میں شریک نہ ہونے کی اجازت نہ دی، اور یہ ارادہ فرمایا کہ جماعت میں بلا عذر نہ آنے والوں کو گھروں کے ساتھ جلا دیں، نماز با جماعت کی صفیں لگی ہوں اور کوئی پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اگر چہ جماعت میں شریک ہو اس کو بھی ناپسند فرمایا کہ یہ اجتماعی نظام کے خلاف ہے، حضرت وابصہ بن معبدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کو نماز دہرانے کا حکم دے دیا۔ (ترمذی شریف)

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی مسجد میں آئے اور صفیں پُر پائے، اور پیچھے تنہا کھڑے ہونے کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہو تو آگے سے نرمی سے کسی نمازی کو اپنے ساتھ کر کے اس کے ساتھ نماز پڑھے، اور جسے پیچھے کیا جائے وہ ضرورت سمجھ کر خوش اسلوبی سے پیچھے آجائے، اس عمل کو باعث اجر بتایا گیا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام ظاہری وباطنی ہر اعتبار سے وحدت واجتماعیت کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ مسلمان نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور اپنے مالک سے یہ دعا کرتا ہے کہ: ترجمہ: ہم کو سیدھا راستہ دکھا دیجئے۔

یہاں بھی اجتماعی دعا ہے جو صرف اپنے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے اللہ سے ہدایت کی دعا مانگتا ہے رمضان میں مسلمان تنہا نہیں سب کے ساتھ مل کر روزے رکھتا ہے عید کے دن تنہا نہیں سب کے ساتھ مل کر روزہ توڑتا ہے، اگر اس نے تنہا رمضان کا چاند دیکھا ہے اور کسی نے نہیں دیکھا، اور اگلے دن سب بے روزہ ہیں تو اسے بھی بے روزہ رہنا ہے اگر اس نے تنہا عید کا چاند دیکھا ہے اور کسی نے نہیں دیکھا اور اگلے دن سب روزے سے ہیں تو اسے بھی روزے سے رہنا ہے کسی بھی طرح جماعت سے الگ نہیں ہونا ہے، اسی کو ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

”روزہ اسی دن ہوگا جب سب روزہ رکھیں، اور عید اسی دن ہوگی جب سب لوگ عید منائیں“

(ابوداؤد شریف)

ان مسائل فقہیہ میں ائمہ کے جزوی اختلافات تو ہیں مگر اس حقیقت کا ادراک بہر صورت کیا جاسکتا ہے کہ اسلام اپنی ہر تعلیم اور ہر حکم کے ذریعے اپنے متبعین میں اجتماعیت کی روح پیدا کرنا اور انفرادیت کی فکر ختم کرنا چاہتا ہے، واقعہ بھی یہی ہے کہ ہر مرحلہ زندگی میں ملت کا مفاد اجتماعیت ہی سے وابستہ ہے۔

دعائے مغفرت

نوشہرہ ورکاں سے بزرگ بھائی عبدالحمید صاحب

گکھڑ سے خادم حلقہ وحید احمد صاحب کے ہم زلف

ملتان سے بھائی محمد قاسم کی ہمشیرہ

ملتان سے بھائی ناصر صاحب (میڈیکل اسسٹنٹ CMH) کی والدہ

گکھڑ سے بھائی محمد شکیل جو انگلینڈ میں مقیم ہیں کی تائی اماں

راولپنڈی سے بھائی مشتاق صاحب کی خوش دامن

گوجرانوالہ سے بزرگ بھائی مرزا ظہور بیگ

گوجرانوالہ سے بھائی حمید اللہ کے ماموں

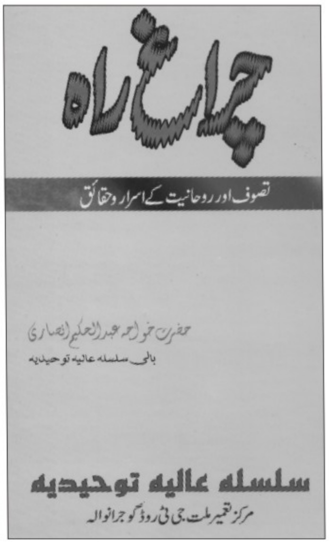
نوشہرہ ورکاں سے بھائی الحاج لطیف توحیدی کے بھتیجے

اور معین الدین کے ماموں زاد بھائی محمد شفیق

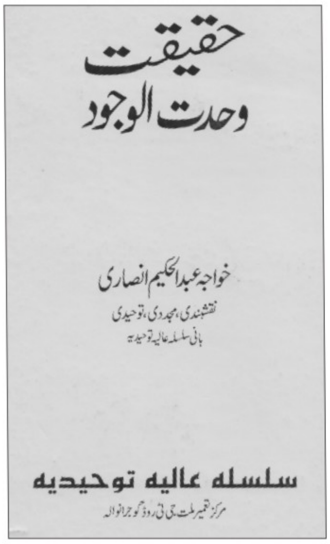
بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

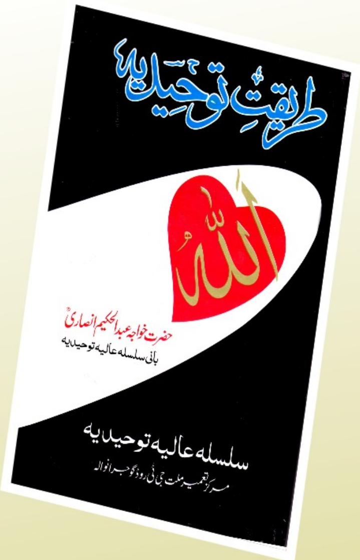


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیامیں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com